ہفت روزہ کراچی
معیار
ہفت روزہ
شاہجہاں
کراچی
کا مقدمہ عدالت عالیہ میں زیر سماعت ہے
قیمت ۳ روپے
افغانستان
میں خونیں انقلاب!
ہمارے نمائندے کی
خصوصی
رپورٹ

ادارہ معیار کی ایک معیاری پیش کش
مستقبل کے پاکستان کے لئے
بچوں کے لئے
رنگارنگ تصویروں، کارٹونوں، کہانیوں اور
سب دلچسپیوں سے معمور
بے شمار انعامی سلسلے
ٹوٹ بٹوٹ
ہر مہینے
ہر بک سٹال پر دستیاب ہے
یا
براہ راست طلب کیجیے
ماہنامہ ٹوٹ بٹوٹ : پوسٹ بکس نمبر ۳۱۹۵ : کراچی ۲۹

صورتِ حال
محمود شام

ہفت روزہ
شاہجہاں
کراچی

رجسٹرڈ ایس 53

معیار

قارئین سے!

"معیار" کے ڈیکلریشن کی منسوخی کے بعد متبادل انتظامات کرنے کے سلسلے میں ہم آپ تک کچھ تاخیر سے پہنچ رہے ہیں۔ ڈھائی سال میں یہ پہلا موقع ہے کہ یہ تاخیر ہوئی ہے لیکن راہ میں جو دشواریاں ہیں، ان کا اندازہ آپ کو بخوبی ہوگا۔ یہ کٹھن اور آزمائش کا دور ہے جسے ہم نے چیلنج سمجھ کر قبول کیا ہے اور ہمیں یقین اور اعتماد ہے کہ راہ کی تمام تر دشواریوں کے باوجود ہمارا آپ سے یہ رابطہ اور رشتہ ہمیشہ اسی طرح قائم رہے گا۔ ہمارے اس یقین اور اعتماد کی قوت آپ اور صرف آپ ہیں۔

اشرف شاد
(ایگزیکٹو ایڈیٹر)

چیف ایڈیٹر
محمود شام
ایگزیکٹو ایڈیٹر
اشرف شاد

شعبہ ادارت
عالمی امور — رفیع احمد فدائی
ملکی امور — مجاہد بریلوی
شہناز احمد

نمائندے
حیدرآباد — حسن کامران
اسلام آباد — ضمیر نفیس
لاہور — خیکاف
پشاور — ثناء اللہ
مظفرآباد — جی ایم مفتی
ملتان — قسور سعید مرزا
فیصل آباد — خالد عباس سیف
کوئٹہ — چشتی مجاہد

خط و کتابت کے وقت لفافے پر متعلقہ شعبے کا نام ضرور درج کیجیے

پاکستان میں بذریعہ معمولی ڈاک
قیمت فی کاپی ——— ۳ روپے
سالانہ ۵۲ شمارے ۱۴۰ روپے
ششماہی ۲۶ شمارے ۷۵ روپے

بذریعہ ہوائی ڈاک

انگلستان، ڈنمارک، ناروے، فرانس، مغربی جرمنی، سویڈن، اٹلی، سوئزرلینڈ، اسپین (یورپ) اور ایشیا میں:- جاپان، ملائیشیا، سنگاپور، ہانگ کانگ، چین،
سالانہ ۵۲ شمارے ۳۸۰ روپے
ششماہی ۲۶ شمارے ۱۹۵ روپے

ایران، عراق، سعودی عرب، کویت، سری لنکا، نیپال،
سالانہ ۵۲ شمارے ۲۳۵ روپے
ششماہی ۲۶ شمارے ۱۲۳ روپے

ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کناڈا،
سالانہ ۵۲ شمارے ۶۱۵ روپے
ششماہی ۲۶ شمارے ۳۱۵ روپے

آسٹریلیا، نیوزی لینڈ۔
سالانہ ۵۲ شمارے ۵۴۵ روپے
ششماہی ۲۶ شمارے ۲۸۰ روپے

دوبئی، ابوظہبی، افغانستان، بحرین، مسقط، قطر، شارجہ،
سالانہ ۵۲ شمارے ۲۶۵ روپے
ششماہی ۲۶ شمارے ۱۳۸ روپے

دفترِ رابطہ:
معیار پبلیکیشنز، پوسٹ بکس ۳۱۹۵
۱۹۰-سی، بلاک ۲- پی ای سی ایچ ایس، کراچی ۲۹

ایڈیٹر پبلشر ذکی عثمانی پرنٹر ناظر پرنٹنگ پریس۔ مقام اشاعت اقبال منزل میکلوڈ روڈ کراچی۔ فون نمبر ۲۱۳۲۵

جاوید اقبال کا صفحہ
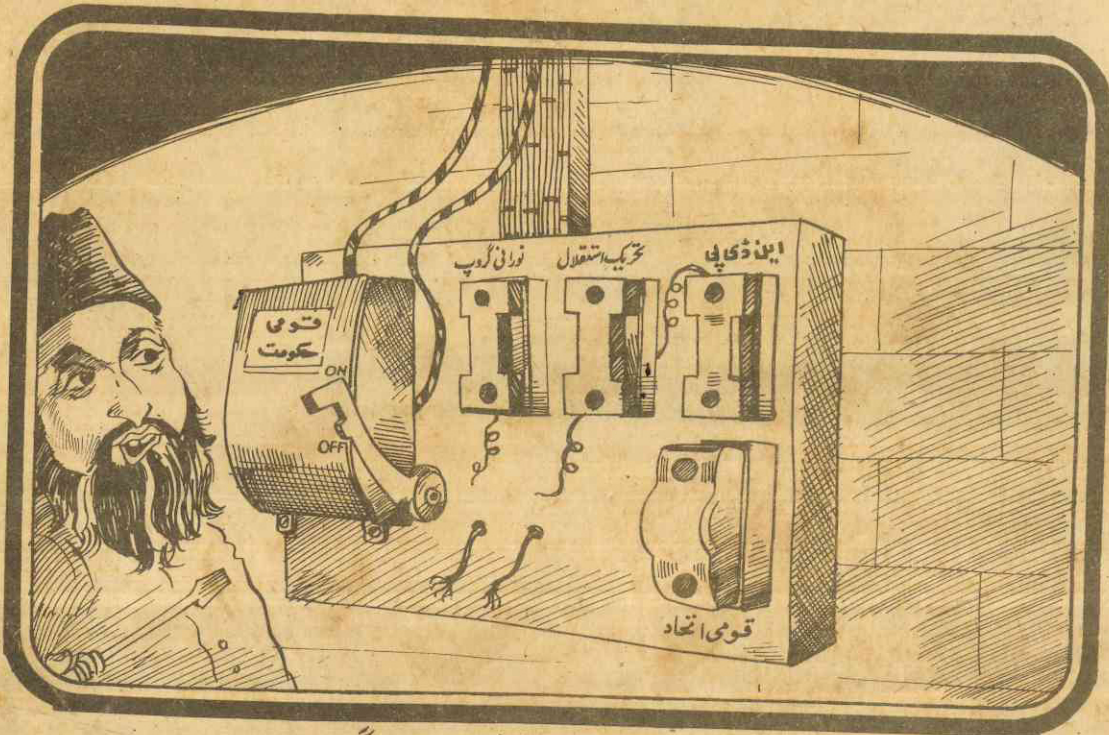
اُوپر کے تمام فیوز اُڑ چکے ہیں ..... بجلی کہاں سے آئے گی؟

محمود شام

نئے حالات میں قومی حکومت کے قیام کیلئے تیز تر کوشش

متوقع خطرات ٹالنے کے لئے عوام کا اتحاد اور ملک میں خوشگوار سیاسی فضا ناگزیر ہے

"معیار" کی اشاعت بالآخر منسوخ قرار دے دی گئی۔

اب ہم دوسرے نام سے آپ تک پہنچ رہے ہیں۔ ہمیں عوام کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا پڑا۔ ہمیں افسوس ہے کہ معیار کا ڈیکلریشن منسوخ ہو گیا لیکن ہمیں خوشی ہے کہ ہم نے وہ راستہ نہیں چھوڑا جو عوام کا راستہ ہے۔ حق و صداقت کا راستہ ہے۔

صحافت ہمارے لئے کبھی بھی کاروبار کا وسیلہ نہیں رہی۔ یہ ایک مشن ہے۔ ایک ذمہ داری ہے۔ ایک احساس ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ نے ہمیں ایک کردار سونپا ہے۔ اس کردار کو ہمیں ادا کرنا ہے۔ نام کچھ بھی ہو، ہمیں صرف اور صرف اپنے وطن کی فکر ہے۔ اس پر جو کچھ بیت رہی ہے، وہ ہماری نظر میں ہے۔ آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے اس کی آہٹیں بھی سنائی دے رہی ہیں۔ سچ پوچھئے تو حالیہ لمحوں کی سختیاں اب محسوس ہی نہیں ہوتی ہیں کیونکہ ہماری نظروں میں صرف اور صرف مستقبل ہے۔ جسے ہم اور ہم سے کہیں زیادہ ہزاروں محنت کش غریب اپنی قربانیوں سے تابناک بنا رہے ہیں۔ دنیا میں دوسری قوموں نے اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لئے ہم سے کہیں زیادہ خون دیا ہے۔ جانیں دی ہیں، ہم ان قربانیوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اپنی قربانیاں کچھ بھی معلوم نہیں ہوتیں۔ اسی طرح ہم ان پر ٹوٹنے والی مصیبتوں اور سختیوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اپنے آپ پر سختیاں بالکل ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ بدھ کی رات کو اچانک چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور قومی اتحاد کے رہنماؤں کے درمیان لاہور میں ملاقات ہوئی ہے اس سے پہلے جنرل صاحب نے ایبٹ آباد میں ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان سے ملاقات کی تھی۔ ان ملاقاتوں سے قومی حکومت کا سلسلہ پھر زندہ ہو گیا ہے جو مولانا مفتی محمود اور مولانا کوثر نیازی کی کشمکش میں کچھ دھیما پڑ گیا تھا جمعرات کے اخبارات میں ایک ساتھ کچھ ایسی خبریں شائع ہوئی تھیں، جن سے کسی متوقع خطرے کا احساس نظر آتا تھا۔ ریٹائرڈ جنرل فرمان علی خان کا بیان کہ سیاستدانوں کو مارشل لاء حکام کے ساتھ حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنی چاہئیں۔ پھر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی ایک ہی دن میں ایبٹ آباد میں اصغر خان کے گھر میں ملاقات، لاہور میں قومی اتحاد کے رہنماؤں سے ملاقات۔ ایک بیان آزاد کشمیر کے ایک رہنما کے ایچ خورشید کا شائع ہوا ہے انہوں نے بھی فوج اور سیاست دانوں میں مفاہمت پر زور دیا ہے۔ ایک بیان قومی اتحاد کے نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خان کا چھپا ہے۔ جس میں پاکستان کے پڑوسی ملک میں مسلمانوں کے بین الاقوامی کمیونزم کی گود میں چلے جانے پر سخت تشویش کا اظہار کیا ہے ریٹائرڈ میجر جنرل فرمان علی کے مضامین کافی عرصے سے قومی اتحاد کے حامی مختلف اخبارات اور رسائل میں شائع ہو رہے تھے۔ میجر جنرل فرمان علی، سقوطِ مشرقی پاکستان کے چند اہم کرداروں میں سے ہیں۔ انہیں فوجی فاؤنڈیشن کا مینجنگ ڈائریکٹر تو بھٹو صاحب کے زمانے میں ہی بنا دیا گیا تھا۔ لیکن اس زمانے میں انہوں نے کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ منتخب سیاسی حکومت کے ہٹنے کے بعد وہ کافی انکشافات کر رہے ہیں۔ اس زمانے کے اعتبار سے ان کے مضامین اور بیانات کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔ لیکن ان کا حالیہ بیان معنی خیز ہے۔ وہ نہ تو سیاسی لیڈر ہیں۔ اور نہ عبوری فوجی انتظامیہ میں کوئی اہم عہدہ ان کے پاس ہے۔ نہ وہ قومی رہنما ہیں۔ فوجی فاؤنڈیشن کے مینجنگ ڈائریکٹر ہونے کے اعتبار سے اس ادارے

پاکستان کی سرحد پر صورتِ حال کی تبدیلی پر تشویش کیوں؟

کی پالیسیوں پر تو بات ہو سکتی ہے۔ لیکن قومی اور سیاسی مسائل پر ان کا بیان کچھ عجیب سا لگتا ہے پھر اسکو جس طرح نمایاں اہمیت ملی ہے۔ وہ اور بھی معنی خیز ہے بہر حال ان کا مشورہ یہ ہے کہ سیاستدان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ساتھ حکومت کی ذمہ داری سنبھالیں۔ فوج آنکھیں بند کر کے اقتدار منتقل نہیں کر سکتی۔ انہوں نے اسلامی نظام کو واحد ذریعہ نجات بتایا ہے۔ اور اسے کمیونزم، سوشلزم اور مغربی جمہوریت کے مقابل کھڑا کیا ہے۔ اسلامی نظام میں اختیارات کی تقسیم کیا ہوگی۔ یہ انہوں نے نہیں بتایا۔ نہ اس تفصیل میں ہم جانا چاہتے ہیں۔ عبوری حکومت نے اپنا محدود مقصد پہلے انتخابات کا انعقاد بنایا تھا پھر سیاستدانوں کی تطہیر اور احتساب بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اب یہ دائرہ اور وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن اس بیان کا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی قومی اتحاد کے رہنماؤں سے ملاقات کے وقت شائع ہونا خاص اہمیت رکھتا ہے

نوابزادہ نصر اللہ خان نے پاکستان کی سرحد پر تبدیلی کو تشویش ناک قرار دیا ہے۔ کے ایچ خورشید کے بیان میں بھی سرحد پر اس تبدیلی کا بالواسطہ ذکر موجود ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ افغانستان کی صورتِ حال نے سیاسی اور سرکاری حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑا ئی ہے حالانکہ افغانستان میں انقلاب، وہاں کا داخلی معاملہ ہے۔ پھر افغانستان کی نئی حکومت اگرچہ فوجی انقلاب کے ذریعے آئی ہے۔ لیکن یہ ایک باقاعدہ عوامی جمہوری انقلاب ہے کیونکہ فوج خود اقتدار پر قابض نہیں ہوئی ہے۔ انہوں نے عوام میں مقبول سیاسی رہنماؤں کو حکومت کی کلیدی ذمہ داریاں سونپی ہیں۔ پاکستان کے لئے بھی ان کا رویہ حقیقت پسندانہ ہے۔ یہ بائیں بازو کے لوگ ہیں۔ اس لئے وہ اپنے عوام کے مسائل حل کرنے پر زیادہ زور دیں گے۔ پڑوسی ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

تشویش کی بات یہ ہے کہ اس انقلاب سے پاکستان کے عوام میں اپنے حقوق کا احساس زیادہ نہ ہو جائے۔ افغانستان میں اگر اس تبدیلی سے غریب افغانوں کے حالات بدلے، تو اس کے اثرات ضرور سرحد پار پہنچیں گے جس طرح چین میں انقلاب کے اثرات پہنچ رہے ہیں۔ عوام میں اپنے مسائل کا احساس شدید ہو، تو بے چینی اور بڑھتی ہے۔ اس بے چینی کو ختم کرنے کے لئے عوام کے مسائل حل کرنا ضروری ہوتا ہے

فرض کیجئے کہ قومی اتحاد کے رہنما حکومت میں شریک ہو جاتے ہیں حکومت کی پالیسیوں میں بھی ان کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔ تو ان کا رویہ یہ ہوگا کہ حکومت اگر کوئی اچھا کام کرے گی تو وہ اس کا سہرا اپنے سر باندھیں گے غلط کام ہوگا۔ تو وہ اس کی ذمہ داری قبول نہیں کریں گے۔ اور ملک کی سمت کیا ہوگی۔ یہ ابھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔

افغانستان کی صورتِ حال نے پورے جنوبی ایشیا میں سوچ کو نیا زاویہ دے دیا ہے۔ یہ انقلاب جتنی سنگینی اور شدت کے ساتھ آیا ہے۔ اس قدر اس کے اثرات محسوس کئے جا رہے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں ایک زمانے میں روس کا اثر و نفوذ بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ بھارت۔ پھر بنگلہ دیش۔ لیکن بھارت اور بنگلہ دیش دونوں جگہ اس کا وہ اثر باقی نہیں رہا۔ اب وہاں امریکہ نسبتاً زیادہ آرام سے ہے چین بھی اب تعلقات بڑھا رہا ہے۔ افغانستان میں سردار داؤد آخری دنوں میں ماسکو سے دور ہوتے جا رہے تھے انہوں نے مشرقِ وسطیٰ اور سعودی عرب کا دورہ کیا تھا اب افغانستان کے نئے حکمران روس کے لئے نیک خواہشات رکھنے والے محسوس ہوتے ہیں۔ ایتھوپیا میں روس کی کامیابیوں کے بعد دنیا کے کسی دوسرے خطے میں روس کے لئے اپنا دائرہ اثر بڑھانا ایک منطقی نتیجہ لگتا تھا۔ اب روس امریکہ کا "متوازی ازم" تو ختم ہو چکا ہے۔ بلکہ چین اور امریکہ کے درمیان کہیں کہیں یہ انتظام نظر آتا ہے۔ بعض ملکوں کی مخصوص صورتحال کے تحت روس جیسے سوشل سامراج کا نام دیا جاتا تھا۔ اب پھر آزادی اور غریب اقوام کی حمایت کی علامت بن رہا ہے۔

اس وقت جو کوششیں ہو رہی ہیں، وہ وقتی طور پر بعض خطرات کو ٹالنے کے لئے ہیں حالانکہ مجموعی طور پر صورت حال کا جائزہ لینا ضروری ہے پاکستان سب کا ہے۔ فوج کا بھی، عوام کا بھی سیاستدانوں کا بھی۔ جنرل ضیاء کا بھی، چیئرمین بھٹو کا بھی۔ مفتی محمود کا بھی۔ اور پاکستان کے ۷ کروڑ عوام کا بھی۔ اس کے لئے سوچنا بھی سب کا فرض ہے۔ بنیادی سیاسی مفاہمت ضروری ہے۔ لیکن ملک کی سب سے بڑی پارٹی کو شریک نہ کر کے یا اس کے مسترد شدہ گروپ کو شریک کر کے یہ بنیادی سیاسی مفاہمت نہیں ہو سکتی ملک عوام ہی کو کہتے ہیں۔ عوام کی ترجمانی بڑی سیاسی جماعت ہی کر سکتی ہے۔ ملک کا مفاد اس میں ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ عوام کیا سوچ رہے ہیں عوام کی سوچ کے مطابق اگر فیصلے ہوں گے تو یہ عوام کو قبول بھی ہوں گے، اور یہ زیادہ دیر تک چل بھی سکیں گے

عوام سے بالا بالا مذاکرات اور سمجھوتے کر کے فیصلے کرنے کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ انہیں عوام کی مقبولیت حاصل نہیں ہو رہی ہے۔ اس لئے نقشے بار بار تبدیل کرنے پڑتے ہیں خطرات کو ٹالنے کے لئے غیر ملکی مداخلت کو ٹالنے کے لئے۔ عوام کا اتحاد ضروری ہے۔ ملک میں خوشگوار سیاسی فضا ضروری ہے۔ جس کے لئے تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی، انتقامی کارروائیوں کا خاتمہ مزدوروں کسانوں اور طلبہ کے خلاف کارروائیوں کا سلسلہ ختم کرنا ضروری ہے۔ عوام کو کسی حکومت پر مکمل اور کامل اعتماد اسی وقت ہوتا ہے جب وہ حکومت ان کی رائے سے منتخب ہو کر اقتدار میں آئی ہو۔ اور اسے عوام کی مکمل حمایت حاصل ہو۔ پاکستان پاکستانیوں کے لئے ہے۔ پاکستان کو وہی لوگ اطمینان اور اعتماد سے چلا سکتے ہیں۔ جنہیں پاکستانی منتخب کریں۔

انقلاب کی لمحہ لمحہ کہانی

۲۶ اپریل کو دارالحکومت کابل میں سردار داؤد کے خلاف جلوس

افغانستان کے انقلاب پر مستند حوالوں سے کوئٹہ کے چشتی مجاہد کی خصوصی رپورٹ

استاد اکبر کی شہادت عوامی جمہوری انقلاب کا پیغام بن گئی

۲۶ اپریل کو کابل، سی آئی اے مردہ باد، امریکہ مردہ باد کے نعروں سے گونج رہا تھا

افغانستان میں فوج نے صدر داود کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور دارالحکومت کابل میں شدید لڑائی ہو رہی ہے۔

جمعرات، ۲۷ اپریل شام کو افغانستان کے بارے میں یہ مختصر سی خبر پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ مگر اس فوجی انقلاب کی ابتداء تو ۱۶ اپریل سے ہوتی تھی۔ جب چند نامعلوم افراد نے افغانستان کی کالعدم کمیونسٹ پارٹی "پرچم" کے سربراہ میر اکبر خیبر کو کابل کے ایک بازار میں گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ میر اکبر خیبر کی ہلاکت کی خبر نے پورے افغانستان کو ہلا کر رکھ دیا۔ اور پورے افغانستان میں مظاہروں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ ساٹھ سالہ میر اکبر خیبر افغانستان میں کمیونزم کے بانی سمجھے جاتے تھے اور افغانستان کے نوجوان انہیں استاد کے نام سے پکارا کرتے تھے

افغانستان کے نوجوانوں کے لئے استاد اکبر خیبر کی ہلاکت کی خبر قیامت سے کم نہ تھی۔ وہ سڑکوں پر نکل آئے ۲۶ اپریل کو استاد کو کابل کے ایک قبرستان میں دفن کیا گیا استاد کے جنازہ میں بیس سے لیکر پچیس ہزار افراد نے شرکت کی استاد اکبر خیبر کو دفن کر دینے کے بعد قبرستان میں ایک جلسہ ہوا جس سے نور محمد تراہ کی جو پہلے خلق پارٹی کے سربراہ اور اب پرچم پارٹی کے جنرل سیکرٹری ہیں کئی مقررین نے خطاب کیا جس میں داؤد پر نکتہ چینی کی گئی اور سردار داؤد مردہ باد کے نعرے بھی لگائے گئے بعد میں جلسے نے جلوس کی شکل اختیار کر لی۔ اور ان ہزاروں افراد نے امریکی سفارت خانے کے باہر مظاہرہ کیا جس میں صدر کارٹر مردہ باد، سی آئی اے مردہ باد کے نعرے لگائے اس جلسے و جلوس کے بعد افغانستان کی پولیس نے نور محمد تراہ کی سمیت سات لیڈروں اور تین ہزار افراد کو حراست میں لے لیا اور انہیں جیل بھجوا دیا۔ شام کو حکومت افغانستان نے ایک اعلامیہ جاری

سابق صدر داؤد نائب صدر سید عبداللہ اور سردار نعیم جو انقلاب میں کام آئے

صدارتی محل کیطرف ٹینک بڑھ رہے تھے اور اندر کابینہ کا اجلاس ہو رہا تھا

کیا جو داؤد حکومت کا آخری اعلامیہ ثابت ہوا اعلان میں کہا گیا تھا۔ "آج اکبر خیبر کے جنازے کے جلوس کے بعد بہت سے افراد کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور سیکورٹی فورسز بہت سے زیر زمین چلے جانے والے افراد کی تلاش میں ہے اور قومی سلامتی کو نقصان پہنچانے والوں کو نہیں بخشا جائے گا۔ صدر داؤد نے صورت حال پر غور کرنے کے لئے ۲۷ اپریل کو اپنی کابینہ کا ایک اجلاس بھی طلب کیا۔ ۲۷ اپریل کو صبح کے تقریباً گیارہ بجے اس خصوصی اجلاس میں صدر داؤد۔ ان کے بھائی اور قریبی مشیر سردار محمد نعیم، وزیر دفاع جنرل غلام حیدر رسولی، وزیر داخلہ عبدالقادر، کمانڈر انچیف جنرل عبدالعزیز۔ وزیر خارجہ وحید عبداللہ، چیف آف ائیر فورس جنرل محمد موسیٰ کے علاوہ کابینہ کے تمام ارکان شریک ہوئے۔ ٹھیک اسی وقت افغانستان کی فوجی چھاؤنی کابل میں فوجی دستوں کی تیاری کی جارہی ہے مگر کسی کو پتہ نہیں کہ منزل کہاں ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب شاہراہ پختونستان پر فرانسیسی سفارت خانے کی جانب سے سات ٹینک داخل ہوتے ہیں جن کے قائد کابل گیرژن کے ڈگروال (کرنل) عبدالقادر ہیں تھوڑی ہی دیر بعد ان ٹینکوں کے پیچھے پچاس اور ٹینک نظر آتے ہیں ان کے پیچھے ہزاروں فوجی گاڑیاں اسلحے سے لیس ہیں ٹینک اور گاڑیاں صدارتی محل کو گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ فوج کا ایک اور دستہ کرنل اسلم وطن گیر کی قیادت میں وزارت دفاع کی عمارت کا رخ کرتا ہے ایک اور دستہ ریڈیو افغانستان پر پہنچ کر قبضہ کر لیتا ہے دوپہر کے پونے بارہ بجے جو کہ اس تمام آپریشن کے لئے زیرو ٹائم ہے فوجی دستے شاہی محل میں داخل ہونے لگتے ہیں صدر داؤد اب تک حالات سے بے خبر ہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے لیکن انہوں نے آنے والے خطرے کی شاید بو سونگھ لی تھی۔ اور شاہی محل میں بھاری تعداد میں فوج متعین کر دی تھی۔ جس کے پاس طیارہ شکن توپیں بھی ہیں صدارتی محل کے محافظ فائرنگ شروع کر دیتے ہیں فائرنگ کی آوازیں سن کر سردار داؤد اور ان کے کابینہ کے اجلاس میں بھگدڑ مچ جاتی ہے سردار داؤد یہ معلوم کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے ٹیلی فون اٹھاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ٹیلی فون تو کٹ چکے ہیں کابینہ کے افراد بھگدڑ کے عالم میں صدارتی محل سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر مشین گنوں کی بوچھاڑوں کا نشانہ بن جاتے ہیں جب کہ کچھ لوگ بھاگ جانے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں جو کہ بہت ہی خوش نصیب ہوتے ہیں۔ وزیر دفاع جنرل غلام حیدر رسولی سردار داؤد کے بھائی نعیم اور چیف آف ائیر فورس جنرل محمد موسیٰ موقع پر ہی ہلاک ہو جاتے ہیں صدر داؤد کے اہل خانہ ایک چور دروازے کے ذریعے جو فرانسیسی سفارتخانہ کے عین سامنے واقع ہے فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان میں سے اکثر گولیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں صدارتی محل کے محافظ سخت مزاحمت کر رہے ہیں اس پر کرنل عبدالقادر جو اس سے قبل ائیر فورس کے ڈپٹی کمانڈر رہ چکے ہیں ائیر فورس کے طیاروں کو طلب کرتے ہیں جو مشین گنوں سے شدید فائرنگ کرتے ہیں چند نیپام بم بھی گرائے جاتے ہیں۔ جس سے صدارتی محل میں آگ لگ جاتی ہے جو اگلے دو دن تک بھی لگی رہتی ہے انقلابی فوج اسلحہ سے لیس ہونے اور فضائی برتری کے باعث آدھے گھنٹے کی شدید لڑائی کے باعث شاہی محل کے محافظوں اور اس میں مقیم فوج سے ہتھیار ڈلوانے میں کامیاب ہو جاتی ہے انقلابی فوج کی اکثریت نوجوان فوجیوں اور پائلٹوں پر مشتمل تھی۔ جو تمام کے تمام استاد اکبر خیبر کے شاگرد رہ چکے ہیں مگر صدارتی محل میں سے فرار میں کامیاب ہو جانے والے دو جنرل جن کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ فوجی چھاؤنی پہنچ کر ساتویں اور آٹھویں ڈویژن کے فوجیوں کو لے کر صدارتی محل پہنچتے ہیں اور ایک مرتبہ پھر شدید جنگ ہو جاتی ہے۔ صدر داؤد اس وقت کرنل عبدالقادر کی کمان کے زیر حراست ہیں ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ریڈیو کابل سے ایک تقریر کریں جس میں انقلابی فوج کی حمایت کا اعلان کریں۔ اور تمام فوجیوں کو حکم دیں کہ وہ ہتھیار ڈال دیں مگر وہ انکار کر دیتے ہیں۔ صدر داؤد کو زدوکوب بھی کیا جاتا ہے مگر وہ ہتھیار ڈلوانے سے انکار کر دیتے ہیں جس پر ایک میجر انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیتا ہے۔ ائیر فورس ایک مرتبہ پھر حرکت میں آتی ہے اور انقلابی فوج کا مقابلہ کرنے والی افواج پر بمباری کی جاتی ہے۔ مخالف فوج طیارہ شکن توپوں کے ذریعے انقلابی فوج کا ایک ایلیوشن طیارہ بھی مار گراتے ہیں مگر شام تک اکثر فوجی ہتھیار ڈال دیتے ہیں مزاحمت کا سلسلہ پوری رات جاری رہتا ہے مگر تمام اہم مقامات پر انقلابی فوج کا قبضہ ہو جاتا ہے اور شام تک وہ اپنے ان تمام مقاصد کو حاصل کر لیتی ہے۔ جس کے لئے وہ چھاؤنی سے باہر آئی تھی۔ انقلابی فوج بیرونی مداخلت کے خطرے

کے پیشِ نظر ہوائی اڈے پر بمباری کر کے اسے ناقابلِ استعمال بنا دیتی ہے۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد فوج کا ایک دستہ جیل کا رُخ کرتا ہے اور ان تمام افراد کو جیل سے رہا کر دیا جاتا ہے جن میں نور محمد تراہ کی بھی شامل ہیں۔ عینی شاہدوں کے مطابق جب پرچم پارٹی کے یہ افراد انقلابیوں کے ہمراہ جیل سے باہر آتے ہیں تو انگلیوں سے وی کا نشان بنا رہے تھے۔ اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ نمایاں تھی۔ وزارتِ دفاع کی عمارت پر بھی آسانی سے قبضہ کر لیا گیا اور کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔

کابل کے لوگ حیران ہیں کہ یہ لڑائی کس کی ہو رہی ہے یہاں تک کہ بعض فوجیوں تک کو یہ پتہ نہیں کہ یہ لڑائی کس سے ہو رہی ہے کابل کے لوگوں اور بیرونی دنیا کو اس واقعہ کی اطلاع شام پانچ بجے کے قریب ملتی ہے جب خاموش سیڈیو افغانستان کابل سے یہ پہلا اعلان کیا جاتا ہے۔ "خداوند عظیم کے نام پر کرنل عبدالقادر اپنے ہم وطنوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سامراجیت اور نادر شاہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے" اس کے بعد ایک اور اعلان کیا گیا جس میں

شاہی محل سے آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے پشتونستان چوک میں لاشیں بکھری ہوئی تھیں

لوگوں کو کہا گیا کہ وہ گھروں سے باہر نہ نکلیں اور فوجی انقلابی کونسل کے اعلانات و احکامات کے مطابق عمل کریں - رات آٹھ بجے سے پورے شہر میں کرفیو نافذ کر دیا جاتا ہے

انقلاب کے دوسرے دن ۲۸ - اپریل کو بھی انقلابی فوجی کونسل کی فوجوں اور صدر داؤد کے حامیوں کے مابین لڑائی جاری رہتی ہے مگر مزاحمت دم توڑ رہی ہے اور لڑائی کابل شہر سے باہر ہو رہی ہے البتہ شہر میں کہیں کہیں اچھوتے ہتھیاروں کی فائرنگ کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں شاہی محل سے آج بھی آگ کے شعلے اٹھتے رہے اور پختونستان روڈ پر لاشیں بکھری رہیں۔ ریڈیو افغانستان آج سارا دن صدر داؤد کے دورِ حکومت پر تبصرہ کرتا رہا ایک تبصرہ میں ریڈیو نے کہا سردار داؤد نے قوم کو دھوکہ دیا وہ ایک ابن الوقت دھوکے باز اور مکار تھا افغان ریڈیو نے آج سردار داؤد کی ہلاکت کی تصدیق بھی کر دی مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ کس طرح مارے گئے افغانستان کی فوجی انقلابی کونسل نے سردار داؤد کی جانب سے نافذ کئے جانے والے آئین کو بھی منسوخ کر دیا اور کہا کہ اب ملک کا انتظام انقلابی کونسل کے احکامات اور فرمانوں کے ذریعے چلایا جائے گا ایک اعلان میں سردار داؤد کے بنائے ہوئے آئین کو خود ساختہ آئین قرار دیا گیا ملک بھر میں ہر قسم کے جلسوں اور مظاہروں پر بھی پابندی عائد کر دی گئی انقلابی فوجی کونسل نے آج کئی وزیروں اور فوجی جرنیلوں کو بھی گرفتار کر لیا مگر ان کے نام بتائے نہیں گئے اس کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا گیا کہ سردار داؤد کے بعض اہلکاروں اور فوجی جرنیلوں نے اب تک اپنے آپ کو انقلابی کونسل کے حوالے نہیں کیا ہے انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ آج رات آٹھ بجے تک پیش ہو جائیں۔

نوجوان طالب علموں نے جو استاد اکبر خیبر کے تربیت یافتہ تھے فوج کا خاصا ہاتھ بٹایا اور فوجی انقلاب کے بعد مسلح افواج کی حمایت میں سڑکوں پر نعرے لگائے ان کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے اور ان ٹینکوں کو بھی پھولوں کے ہاروں سے سجایا جنہوں نے انقلاب میں حصہ لیا تھا یہی وجہ ہے کہ انقلاب کے بعد سڑکوں پر کھڑے ٹینکوں کی توپوں کی نالیوں میں پھولوں کے ہار نظر آتے ہیں۔ افغان پولیس کے فرائض بھی انہی نوجوانوں نے سرانجام دیئے ٹریفک کنٹرول کی ساری ذمہ داریاں انہی نوجوانوں نے سرانجام دیں۔

فوجی انقلاب کے تیسرے دن ۲۹ - اپریل کو کابل کے گرد و نواح میں ساتویں اور آٹھویں ڈویژن کے سپاہی جو اب تک لڑ رہے تھے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور تین دن سے گولیوں کی جو آوازیں سنائی دے رہی تھیں سنائی نہیں دے رہیں اس کے ساتھ ہی آج پورے ملک میں مارشل لاء نافذ کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے اور کابل سمیت تمام شہروں میں سمری ملٹری کورٹ قائم کر دی جاتی ہیں افغانستان کے وزیر داخلہ عبدالقدیر نورستانی نائب صدر عبداللہ سمیت کئی افراد کو سمری ملٹری کورٹ میں پیش کیا جاتا ہے اور انہیں موت کی سزا سنانے کے بعد گولی مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

افغانستان ریڈیو اب تک یہ اعلان کر رہا ہے کہ غیر جانبداری کی پالیسی اختیار کیا جائے گا اقوام متحدہ کے منشور کا احترام کیا جائے گا داخلی پالیسی جمہوریت اور پریس کی آزادی پر مبنی ہو گی حکومت شہریوں کو مکمل تحفظ کا یقین بھی دلاتی ہے اور انہیں حکم دیتی ہے کہ وہ کام پر واپس آجائیں چنانچہ اس حکم کے نتیجہ میں کابل کے تمام بازاروں اور دفاتر میں معمول کے مطابق کاروبار شروع ہو جاتا ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ انقلابی فوج نے پورے ملک پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے جبکہ اعلان ریڈیو افغانستان بھی کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ سردار داؤد کی حامی فوج نے انقلابی کونسل کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور نئی حکومت سے وفاداری کا اعلان کیا ہے اور سارے ملک میں عوامی حکومت نے کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔

دنیا بھر کی خبر رساں ایجنسیاں اخباری نمائندے انقلابی کونسل کے بارے میں لاعلم ہیں دار الحکومت میں جس قسم کے اقدام کئے جا رہے ہیں جن لوگوں کو گرفتار کیا جا رہا ہے اور سرخ ستاروں والی قمیص پہنے نوجوان جس طرح آزادانہ کارروائیوں میں مصروف ہیں اس سے اس شبہ کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ یہ حکومت بائیں بازو سے تعلق رکھتی ہے مگر اگلی صبح جب انقلابی فوجی کونسل کے پہلے اجلاس میں نور محمد ترا کی کو افغانستان کا سربراہ اور وزیر اعظم بنائے جانے کا اعلان کیا گیا اور ملک کا نیا نام ڈیموکریٹک ری پبلک آف افغانستان رکھنے کا اعلان کیا گیا تو لوگوں کی سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں ختم ہو گئیں اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ موجودہ حکومت بائیں بازو کی ہے ساٹھ سالہ نور محمد ترہ کی پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی (پرچم پارٹی خلاق پارٹی) کے جنرل سیکرٹری ہیں یہ وہی پارٹی ہے جس کے سربراہ استاد اکبر خیبر تھے نور محمد ترہ کی نے اپنی پارٹی بھی بنائی تھی جو خلاق پارٹی کے نام سے مشہور ہوئی تھی

باقی صفحہ ۵۰ پر

سرخ ستاروں والی قمیص پہنے نوجوان انقلاب کی حمایت میں باہر نکل آئے،
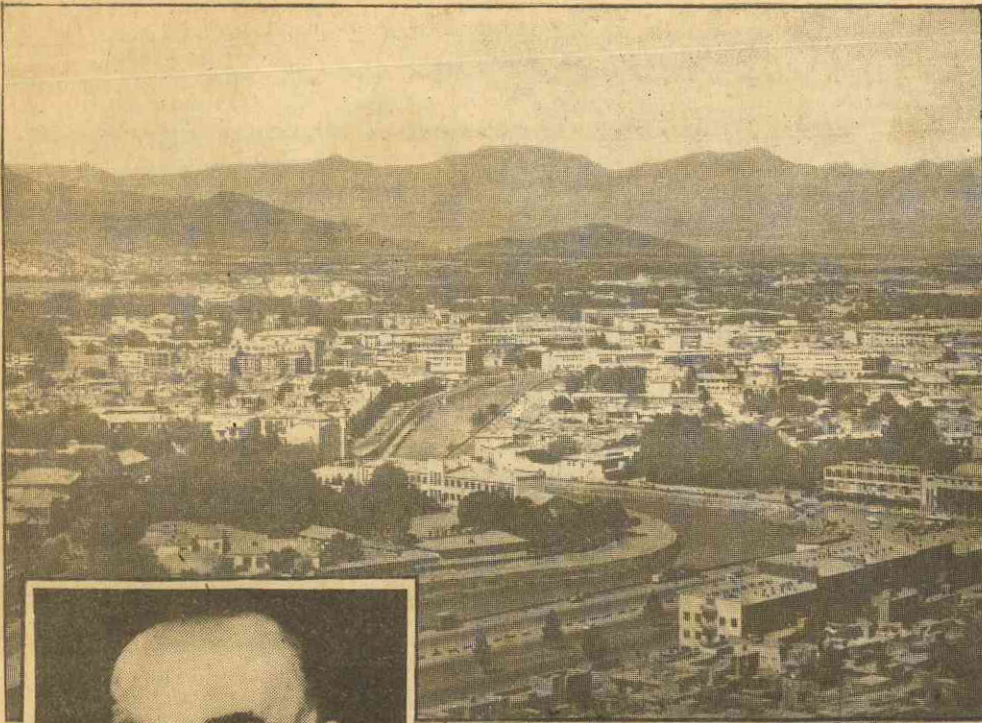
افغانستان میں
عوامی جمہوری انقلاب

پشاور سے
ثناء اللہ کی رپورٹ

بائیں بازو کی پارٹیاں متحد ہو گئیں

سردار داؤد نے بائیں بازو کے لیڈروں کو پھانسی پر لٹکانے کا فیصلہ کر لیا تھا

افغانستان میں ۲۷ اپریل کی فوجی کارروائی کے تین دن کے بعد کہیں غیر یقینی صورت حال ختم ہوئی جب ۳۰ اپریل کو انقلاب کے بانی جناب نور محمد ترہ کی کے نام کا اچانک اعلان کیا گیا ۲۷ اپریل سے کچھ روز پہلے پشاور میں صرف خاص لوگ جانتے تھے کہ کابل میں زبردست ہنگامے ہو رہے ہیں۔ جلسے اور جلوس نکالے جا رہے ہیں اور بہت سی گرفتاریاں بھی عمل میں لائی جا رہی ہیں۔ ۲۷ اپریل کو اسلام آباد راولپنڈی میں مقیم ملکی اور غیر ملکی صحافی بار بار پشاور ٹیلی فون کرتے رہے کہ افغانستان میں کیا ہوا ہے اس روز کابل ریڈیو سے شام چھ بجے اردو پروگرام اور ۷ بجے انگریزی پروگرام نشر نہ ہو سکے۔ بلکہ کابل ریڈیو تقریباً سارا دن خاموش رہا اس لئے صورت حال معلوم نہ ہو سکی۔ جو کچھ معلوم ہو سکا وہ غیر ملکی ریڈیو کے ذریعے ہوا۔ تاہم شام کے بعد کابل ریڈیو سے مارشل میوزک شروع ہو گیا اور رکا ہے گا ہے انقلابی فوجی کونسل کی آمد آمد کے اعلانات ہوتے رہے ڈگروال (فل کرنل) عبدالقادر کا نام پیش پیش تھا۔ مگر لوگ یہی پوچھتے رہے کہ انقلاب دائیں بازو کا ہے یا بائیں بازو کا۔ لوگ یہ بھی پوچھتے رہے کہ انقلاب میں امریکہ کا ہاتھ ہے یا روس کا۔ تین دن تک افغانستان کے لوگوں کی توجہ کسی شخصیت کی بجائے صرف انقلابی کونسل کی طرف مرکوز رکھی گئی انقلابی کونسل بار بار اسلام اور جمہوریت کا نام بھی لیتی رہی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ نادر شاہی حکومت کے نام و نشان کے خاتمہ کا اعلان بھی پہلے روز ہی کر دیا گیا اور لوگوں کو سنا دیا گیا کہ سابق افغان صدر محمد داؤد اور ان کے بھائی محمد نعیم مزاحمت کرتے ہوئے فوجی کارروائی کے دوران ہلاک ہو گئے۔

نور محمد ترہ کی کے نام کے اعلان کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ موجودہ حکومت ماسکو گروپ سے تعلق رکھتی

باقی صفحہ ۵۰ پر

پہلا انقلاب، جو دن کی روشنی میں برپا ہوا،

ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سابق افغان صدر محمد داؤد ماسکو گروپ سے تعلق نہیں رکھتے تھے اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہمیں اس دور کی طرف جانا ہوگا جب افغانستان میں بادشاہت تھی۔ اور ظاہر شاہ ملک کے فرماں روا تھے ظاہر شاہ کے دور میں لوگوں کو آؤٹ آف ہسٹری رکھا گیا۔ کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ سماج میں ناانصافی اور حقوق کی پامالی شاہی محل میں معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔ خود ظاہر شاہ کو سامراجیت پسند تصور کیا جاتا تھا۔ اس لئے ان کی حکومت عوام میں غیر مقبول ہونا شروع ہو گئی۔ چنانچہ شاہی خاندان میں ایک پلان تیار کیا گیا کہ اب ایک چہرے کو بدل کر دوسرا چہرہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اس پلان کے مطابق افغان بادشاہ ظاہر شاہ کے داماد عبدالولی کو افغانستان کا بنانا بادشاہ اور اس کے ساتھ ہاشم میوندوال کو وزیر اعظم بنانا تھا عبدالولی افغانستان کے مشہور مارشل شاہ ولی کے بیٹے ہیں اس پلان کے بارے میں جب بائیں بازو کے لوگوں کو علم ہوا تو اس سے پہلے انہوں نے ۱۹۷۳ء میں ظاہر شاہ کا تختہ الٹ دیا اور محمد داؤد کو ملک کا صدر اور وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ اس وقت محمد داؤد کا تعلق ماسکو گروپ کے ساتھ تھا اور بائیں بازو کے ساتھ ان کی پوری افہام و تفہیم تھی۔ سردار محمد داؤد برسر اقتدار آنے کے تقریباً آٹھ نو ماہ تک سامراجیت کے مخالف تھے اور ان کی اندرونی اور بیرونی پالیسیاں بائیں بازو سے متعلق تھیں۔ محمد داؤد نے ایک تاریخی تقریر بھی کی تھی جس کا عنوان تھا "خطاب بہ مردم" اس تقریر میں وہ بہت ہی ترقی پسند نظر آتے۔ پانچ سال سے بائیں بازو کے لوگ مطالبہ کر رہے تھے کہ زرعی اصلاحات کی جائیں۔ غیر جانبدارانہ پالیسی مرتب کی جائے اور قومیانے کی پالیسی پہ عمل کیا جائے۔ سردار داؤد نے "خطاب بہ مردم" میں یہ ساری باتیں کہی تھیں مگر بعد میں آہستہ آہستہ ان کی حکومت نے اپنی پالیسی کا رخ بائیں بازو سے ہٹانا شروع کر دیا۔

محمد داؤد نے بائیں بازو کا اثر و رسوخ ختم کرنے کے لئے اپنی کارروائی کا آغاز اپنی کابینہ سے ہی کیا اور سب سے پہلے ایک وزیر پاچہ گل الفت کو کابینہ سے نکال دیا اور انہیں ملک میں نہ رہنے دیا بلکہ بلغاریہ میں سفیر مقرر کر دیا گیا۔ پاچہ گل کابینہ میں بڑے ترقی پسند وزیر سمجھے جاتے تھے۔ اس کے بعد وزیر داخلہ فیض محمد کو نکال دیا انہیں بھی ملک سے باہر رکھنے کے لئے انڈونیشیا میں سفیر مقرر کر دیا۔ فیض محمد لبرل ترقی پسند تھے۔ رفتہ رفتہ فوج اور سول انتظامیہ میں بھی بائیں بازو کے اعلیٰ افسروں کے خلاف کارروائی شروع کی گئی اس کے

نادر شاہ کا خاندان

سردار داؤد جولائی ۱۹۷۳ء میں ہی برسر اقتدار آئے تھے انہوں نے اپنے برادر نسبتی اور تایا زاد بھائی شاہ ظاہر شاہ کی حکومت کا تختہ الٹا تھا۔ اس انقلاب میں بھی متعدد افراد ہلاک ہوئے تھے تاہم شاہ ظاہر شاہ جو ملک سے باہر تھے زندہ بچ گئے تھے ان کے قریبی رفقاء اور عزیزوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور بعد میں ان میں سے بیشتر ہلاک کر دیئے گئے تھے شاہ ظاہر شاہ جلاوطنی کے بعد سے اٹلی میں مقیم ہیں۔

سردار داؤد کا تعلق نادر شاہ خاندان سے تھا جو ۱۹۲۹ء میں بچہ سقہ کی حکومت کا تختہ الٹ کر برسر اقتدار آئے تھے ۱۹۲۹ء میں ملا شور بازار نے امیر امان اللہ خاں کی پالیسیوں کے خلاف تحریک چلائی اور انہیں معزول کر دیا۔ اس وقت نادر خاں پیرس میں افغانستان کے سفیر تھے وہ واپس برصغیر آئے اور بمبئی میں جہاز سے اتر کر بذریعہ ٹرین پشاور روانہ ہوئے وہ جب لاہور سے گذرے تو یہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اور پھر اچانک انہوں نے پشاور کے بجائے کوئٹہ کا رخ کیا سفر باندھا اور وہاں سے بھیس بدل کر قندھار پہنچے یہاں انہوں نے اپنے قبائل کا لشکر جمع کیا اور کابل پہ حملہ کر دیا اس وقت امیر امان اللہ خاں کی جگہ انگریزوں کی مدد سے بچہ سقہ افغانستان کا حکمران بن چکا تھا۔ نادر خاں جو برسر اقتدار آنے کے بعد نادر شاہ بن چکے تھے کو ۱۹۳۳ء میں قتل کر دیا گیا یہ قتل فوج کے ایک جنرل غلام نبی خاں کے بیٹے نے کیا تھا۔ نادر شاہ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا ظاہر شاہ ۱۹۳۳ء میں تخت نشین ہوا اور اس نے چالیس سال تک افغانستان میں حکومت کی۔ ظاہر شاہ کے پانچ بھائی تھے عنایت خاں سب سے بڑا تھا سردار داؤد عنایت خاں کے بیٹے تھے نادر خاں نے اپنے بھائیوں سے نہایت نیک سلوک کیا اور سردار داؤد سے بھی۔ ان کا تایا زاد بھائی تھا ان کا سلوک نہایت مشفقانہ تھا انہوں نے سردار داؤد خاں کو ملک کا وزیر اعظم بھی مقرر کیا اور وہ دو سال تک اس عہدے پر فائز رہے جولائی ۱۹۷۳ء میں سردار داؤد نے شاہ ظاہر شاہ کا تختہ الٹ دیا اور اب پانچ سال بعد سردار داؤد کی حکومت کا تختہ الٹنے والی انقلابی کونسل کے سربراہ نے نہایت واشگاف الفاظ میں برسر اقتدار آتے ہی اعلان کیا ہے کہ افغانستان سے نادر شاہی خاندان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا ہے۔

∞

داؤد بائیں بازو کی حمایت سے برسراقتدار آئے اور دائیں بازو کے گھیرے میں آگئے

ساتھ ساتھ ایران، امریکہ، سعودی عرب سے افغانستان کے لئے امداد بھی آنے لگی ایران کا اثرورسوخ بھی شروع ہوا۔ ایران سے بھی وافر مقدار میں امداد آنی رہی بائیں بازو یعنی ماسکو نواز گروپ والوں کو اس پر بڑی تشویش ہوئی چنانچہ پانچ مرتبہ داؤد کا تختہ الٹنے کی سازش پکڑی گئی۔

سردار داؤد کی حکومت نے آہستہ آہستہ اپنی پالیسی دائیں بازو کی طرف شروع کردی جس کے خلاف افغانستان کی ایک سیاسی جماعت پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی نے خاصا کام کیا۔ اس پارٹی میں ترقی پسند فردور جمہوریت پسند، نشلسٹ اور طلبا شامل تھے۔ مگر ۱۹۶۰ء میں اس پارٹی میں اختلافات پیدا ہوگئے اور یہ دو گروپوں میں تقسیم ہوگئی۔ اگرچہ یہ اختلافات صرف تنظیمی امور اور حکومت وقت کے بارے میں پارٹی کی پالیسی سے متعلق تھے مگر ان کے بنیادی نظریات میں کوئی فرق نہ تھا چنانچہ پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کا ایک دھڑا پرچم پارٹی اور دوسرا خلق پارٹی کہلانے لگا پرچم پارٹی کا بانی سربراہ بابروک کارمل تھا۔ اور اس وقت استاد میر اکبر خیبر بھی ان کے ساتھ تھے دوسری طرف خلق پارٹی تھی جسے پیپلز پارٹی بھی کہتے ہیں اس کے سربراہ نور محمد ترہ کی تھے۔ نور محمد ترہ کی افغانستان کے پشتو بولنے والے پاوندوں کے ایک قبیلہ سلیمان خیل سے تعلق رکھتے ہیں اور ترہ کی سلیمان خیل کی شاخ ہے جو قندھار کے صوبہ میں آباد ہے اس کے علاوہ بائیں بازو کی ایک جماعت "شعلہ جاوید" بھی ۱۹۶۰ء میں افغانستان کی سیاست میں خاصی سرگرم رہی مگر ۱۹۷۰ء میں یہ جماعت ختم ہوگئی۔ سردار داؤد کی پالیسیوں میں تبدیلی کی وجہ سے بائیں بازو کے لوگ متحد ہونا شروع ہوگئے مثلاً سردار داؤد کی حکومت نے کچھ عرصہ پہلے یہ فیصلہ کیا۔ کہ آئندہ افغانستان کی افواج کے افسروں کو صرف ایک ملک میں نہیں بلکہ بہت سے دوسرے ممالک میں بھی تربیت کے لئے بھیجا جائے گا اس سے ماسکو گروپ کے فوجی جرنیل حرکت میں آنا شروع ہوگئے ادھر پرچم پارٹی اور خلق پارٹی نے اتحاد قائم کردیا اور چار یا پانچ ماہ پہلے اس اتحاد کا باقاعدہ عوام میں اعلان کیا گیا اس اتحاد کے بعد پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی دوبارہ بحال ہوگئی مگر نور محمد ترہ کی کو اس کا سربراہ مقرر کردیا گیا جب کہ بابروک کو سیکنڈ لائن پہ رکھا گیا۔ اس اتحاد کے بعد بایاں بازو مضبوط ہوتا گیا اور افغانستان کی سیاست میں لیفٹ مستحکم اور مضبوط تر ہوتا گیا ان کے مقابلے میں دائیں بازو کی جماعت اخوان المسلمین تھی جو شروع میں محمد داؤد کے مخالف تھی۔ مگر جب محمد داؤد کی پالیسیوں میں تبدیلی آنی شروع ہوئی تو اخوان کا رویہ بھی ان کی طرف نرم ہوگیا دائیں بازو والے لوگ چاہتے تھے کہ داؤد حکومت بائیں بازو کو کچلے دائیں اور بائیں بازو کے چکر میں افغانستان کے وزیر منصوبہ بندی علی احمد خرم کا قتل ہوا۔ علی احمد خرم محمد داؤد کے بڑے قریبی آدمی تھے دائیں بازو کا الزام تھا کہ علی احمد خرم کو بائیں بازو والوں نے مروایا ہے مگر لیفٹ والوں نے یہ الزام لگایا کہ خرم کو دائیں بازو نے اس غرض سے قتل کروایا ہے کہ لیفٹ کی پٹائی کرائی جائے۔ لیفٹ نے بعد میں دعویٰ کیا کہ تحقیقات کے بعد پتہ چلا کہ خرم کے قتل میں اخوان کا ہاتھ ہے اخوان اور بائیں بازو کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔ صورت حال اور شدت اختیار کرگئی۔ جب پرچم پارٹی کے لیڈر استاد میر اکبر خیبر کو ۱۸ اپریل کو قتل کردیا گیا اس سے پہلے بائیں بازو کے دو لیڈر دین محمد اور ڈاکٹر نیاز محمد کو بھی صوبہ پکتیا میں قتل کیا گیا۔ تاہم استاد میر اکبر خیبر کے قتل کے بعد ملک میں ہنگامے شروع ہوگئے جلسے اور جلوس نکالے گئے تقریباً پندرہ ہزار سے زیادہ لوگ

انٹرویو

افغانستان کے عوام کے لئے یہ انقلاب غیر متوقع نہیں ہے

نور احمد ترہ کی نے عوام میں رچ بس کر اپنی قیادت کا لوہا منوایا ہے

کراچی میں افغانستان کے قونصل جنرل حکیم سربلند سے مجاہد بریلوی کا انٹرویو

س :- افغانستان میں انقلاب کا سن کر دنیا بھر میں لوگ حیران رہ گئے ہیں آپ کے خیال میں کیا اس انقلاب کی توقع کی جارہی تھی۔

ج :- افغانستان کے عوام کے لئے یہ انقلاب غیر متوقع نہیں ہے۔ انقلاب کے لئے معروضی حالات ایک ایسی نہج پر آگئے تھے جب کہ اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں رہ گیا تھا۔ جولائی ۱۹۷۳ء میں جب سردار داؤد برسرِ اقتدار آئے تو عوام کو اس بات کی امید ہو چلی تھی کہ ملک میں سیاسی، سماجی اور اقتصادی تبدیلیاں لائی جائیں گی مگر اپنے قول اور وعدے کے مطابق سردار داؤد نے ایسی پالیسیاں مرتب نہیں کیں اور وہ ایک مخصوص مفاد پرست ٹولے کے آلۂ کار بن گئے۔ اُن کے اردگرد ایسے لوگوں کا ہالہ بن گیا تھا جن کا عوام سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا اور پھر جب عوام کے مسائل بڑھتے گئے اور روز بروز انتشار پھیلتا گیا تو عوام اپنے رہنماؤں کی قیادت میں انقلاب لے آئے۔

س :- مغربی خبر رساں ایجنسیاں اور رجعت پسند ذرائع ابلاغ بڑے پیمانے پر یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ انقلاب میں بے شمار افراد کام آئے وہ ان کی تعداد دس ہزار سے اوپر بتاتے ہیں۔ خاص طور پر سردار داؤد کے خاندان کے انجام کے بارے میں بہت کچھ کہا جارہا ہے اس میں کس حد تک صداقت ہے۔

ج :- مغربی پریس کی جانب سے کیا جانے والا یہ پروپیگنڈا جھوٹ، لغو اور بے بنیاد ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ افغانستان کے عوام جو عوامی جمہوری انقلاب لائے ہیں اس سے پڑوسی ممالک کے عوام کو خصوصاً بدظن کیا جائے۔ اس بات سے آپ اتفاق کریں گے کہ اس طرح کے انقلاب میں لوگ کام آتے ہیں مگر افغانستان میں جو انقلاب آیا ہے اس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد پروپیگنڈے سے سوگنا کم ہے جہاں تک سردار داؤد اور ان کے خاندان کا تعلق ہے تو جس وقت انقلاب آیا تو اُس وقت سردار داؤد اور اُن کا خاندان اپنے محل میں تھا۔ انقلابی کونسل کے ارکان نے اُن سے ہتھیار ڈالنے کو کہا مگر انہوں نے مزاحمت کی جس کے نتیجے میں وہ اور اُن کے بھائی سردار نعیم ہلاک ہو گئے۔ یہ بات سراسر جھوٹ پر مبنی ہے کہ سردار داؤد کی بیویوں، بچیوں اور پوتیوں کو مار دیا گیا ہے۔ سردار داؤد اور سردار نعیم کے علاوہ اُن کا خاندان محفوظ ہے اور کابل میں ہے جو خبر رساں ادارے افغانستان کے بارے میں اس قسم کا پروپیگنڈا کر رہے ہیں اُن کے مقاصد مجھ سے آپ سے اور کسی ایشیائی سے پوشیدہ نہیں۔

س :- گو یہ آپ کا ایک داخلی مسئلہ ہے مگر اس خطے میں یہ ایک بہت بڑی تبدیلی ہے۔ آپ کے خیال میں جنوبی ایشیا پر اس کے کیا اثرات پڑ سکتے ہیں؟

ج :- افغانستان کا انقلاب ہمارا داخلی مسئلہ ہے اور اس سے کسی کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں جنوبی ایشیا پر مستقبل میں اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔"

س :- پاکستان میں افغانستان کی موجودہ صورتحال کا "مطالعہ" مختلف حلقے اپنے اپنے انداز میں کر رہے ہیں۔ بعض کو بڑی تشویش ہے۔ آپ کے خیال میں افغانستان کی موجودہ حکومت کا رویہ پاکستان سے کس قسم کا ہوگا

ج :- میرے خیال میں پاکستان کی حکومت اور عوام کو اس بارے میں کسی بھی قسم کی تشویش نہیں کرنی چاہئیے یہ ایک قوم پرست انقلاب ہے جس کا اندازِ نظر ترقی پسندانہ ہے اور پھر یہ ہمارا ایک داخلی مسئلہ ہے انقلاب کے کچھ ہی دیر بعد یہ سرکاری طور پر اعلان جاری کیا جا چکا ہے کہ ہم تمام ممالک سے دوستانہ تعلقات پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں کی بنیاد پر رکھیں گے جس میں پاکستان بھی شامل ہے یہ کہنے کی ضرورت نہیں اور آپ اس بات سے واقف ہیں کہ ماضی میں ہماری حکومتوں کے درمیان اختلافات موجود رہے ہیں۔ موجودہ حکومت کی یقیناً یہ پالیسی اور خواہش ہوگی کہ ہم ان "دیرینہ اختلافات" کو پرامن طریقے سے حل کریں اور دونوں ملکوں کے عوام کے مفادات کے پیشِ نظر دوستی اور یگانگت کو مضبوط کریں۔"

س :- کیا آپ اپنے نئے سربراہ مملکت اور اُن کے دیگر ساتھیوں کے بارے میں ہمیں کچھ بتائیں گے۔

ج :- میں صدر اور وزیر اعظم نور احمد ترہ کی کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ وہ افغانستان کے عوام میں بڑے مقبول ہیں۔ ایک طویل عرصے سے انہوں نے عوام میں رچ بس کر اپنی قیادت کا لوہا منوایا ہے اُن کی کابینہ کے دیگر ارکان اور خود پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی ایک عرصے سے افغانستان میں عوام سے نہایت گہرے رشتے سے منسلک ہے۔ اور یہ انقلاب اس بات کا ثبوت ہے کہ افغانستان کے عوام پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی اور اس کی قیادت کے ساتھ تھے۔ افغانستان کی قوم پرست حکومت جس کا اندازِ نظر ترقی پسندانہ ہے یقیناً عوام کے قومی اور بنیادی مفادات پر پوری اترے گی۔"

۶ تا ۱۳ مئی ۱۹۷۸ء
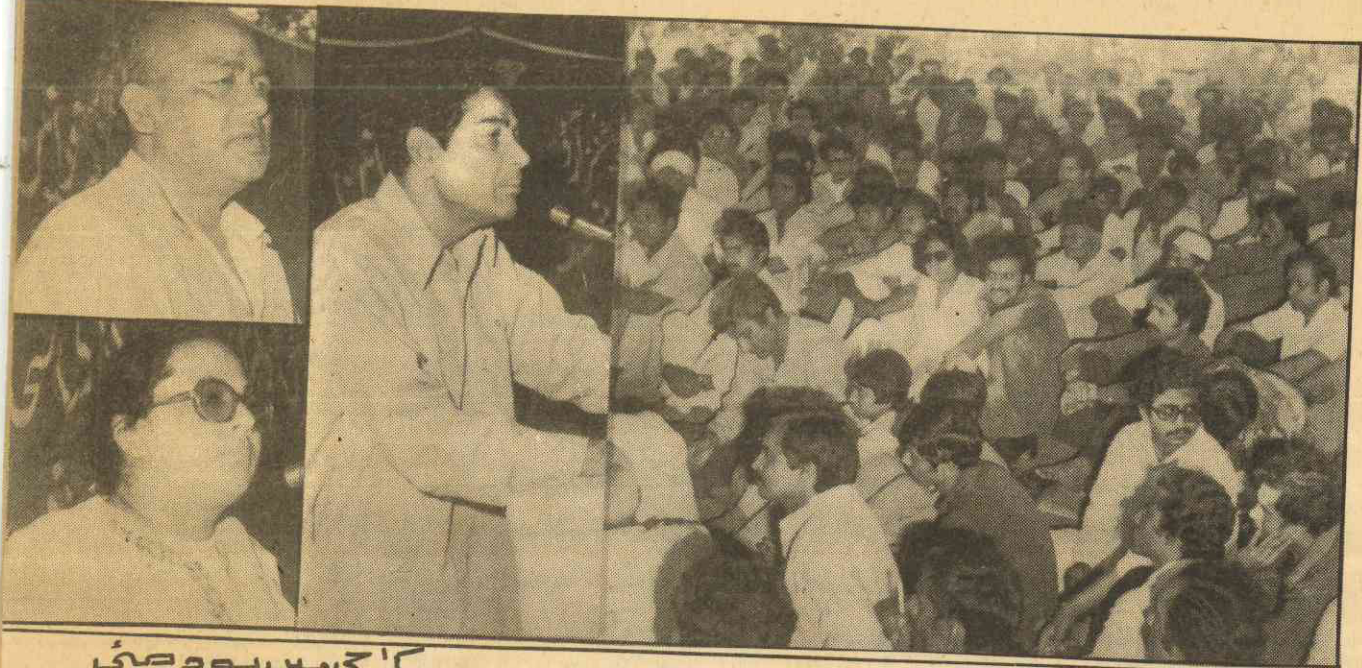
کراچی میں یوم مئی

پہلی بار کراچی میں سرخ بینروں کے رنگ نہ کھل سکے

بائیں بازو نے یوم مئی پر اتحاد کا مثالی مظاہرہ کیا

یوم مئی اس سال بھی روایتی جوش و خروش سے منایا گیا مارشل لاء کے ضابطوں کے تحت پابندی کی وجہ سے صنعتی علاقوں اور شاہراہوں پر جلوس تو نہ نکل سکے جو یکم مئی" کا خاصہ ہوتے ہیں مگر لاتعداد مقامات پر ہونے والے جلسوں میں محنت کشوں کی بھرپور شرکت اور مقررین کی تقاریر میں جذبوں کی شدت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے بائیں بازو کے مختلف گروپوں نے ماضی کے تجربوں سے سبق حاصل کر لیا ہے اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ اتحاد اور یکجہتی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہیں۔

کراچی میں ہونے والے یکم مئی کے مرکزی جلسوں میں مقررین کی تقاریر اور محنت کشوں کے نعروں میں سب سے نمایاں رنگ "اخباری صنعت کے کارکنوں" کی جدوجہد کا تھا۔ ایک ہی دن قبل مساوات لاہور کے دفتر کے سامنے سے سات بھوک ہڑتالی اور پندرہ ایپنک اور پی ایف یو جے کے رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاری کے خلاف محنت کش کی تنظیمیں اخباری کارکنوں سے اپنی بھرپور یکجہتی کا اظہار کر رہی تھیں "یوم مئی" کے ہونے والے ہر جلسے میں مزدوروں طالب علموں نے اپنے نام "لاہور چلو" تحریک کے لئے دیئے۔

ورکرز رابطہ کمیٹی

کراچی ورکرز رابطہ کمیٹی نے پروگرام تو ساہٹ سے جلوس نکالنے کا بنایا تھا مگر اجازت نہ ملنے کے سبب یہ جلوس نہ نکل سکا اور مرکزی جلسہ خاموش کالونی میں ٹریڈ یونین فیڈریشن کے دفتر میں ہوا۔ دفتر کا وسیع احاطہ مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کے لئے چھوٹا پڑ گیا تھا اور احاطے کے باہر سخت دھوپ میں بھی مزدور کھڑے تھے جلسے کی صدارت ایپنک کے چیئرمین منہاج برنا نے کی اور مہمان خصوصی عوامی شاعر حبیب جالب تھے کراچی ورکرز رابطہ کمیٹی کے سیکرٹری ایس پی لودھی نے یکم مئی کے شہیدوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے جلوس نکالنے کی اجازت نہ دینے پر انتظامیہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ آج سرمایہ داروں جاگیرداروں کی سیاسی پارٹیوں اور عوام دشمن سیاسی رہنماؤں کو کھلی چھٹی ہے محنت کشوں کو اتنی بھی اجازت نہیں کہ وہ شکاگو کے عظیم شہیدوں کو خراجِ عقیدت پیش کر سکیں۔ اخباری کارکنوں کو مزدوروں کی جانب سے اپنی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے ایس پی لودھی نے کہا کہ جب کبھی ایپنک اور پی ایف یو جے نے ہم سے عملی تعاون کے لئے کہا ہم اخباری کارکنوں سے پیچھے نہ ہو سکیں گے

عوامی شاعر حبیب جالبؔ کا اپنا ایک انداز ہے اس قسم کے جلسوں میں جب وہ جاتے ہیں تو پھر "اشعار" تو سناتے ہی ہیں مگر ساتھ ساتھ ان کی تقریر بھی جاری رہتی ہے "یکم مئی" کی مناسبت سے اپنی نظمیں سناتے ہوئے حبیب جالبؔ نے مزدوروں کی تنظیموں اور بائیں بازو کی جماعتوں پر زور دیا کہ وہ اپنے اختلافات بھلا کر متحد ہو جائیں۔

پی ایف یو جے کے صدر اور ایپنک کے چیئرمین منہاج برنا نے جو ایک دن پہلے ہی پنجاب بدر ہو کر آئے تھے حکومت کو متنبہ کیا کہ صوبہ بدری اور گرفتاری سے اخباری صنعت کے کارکنوں کی جدوجہد کو نہیں دبایا جا سکتا کیونکہ ان کے ساتھ ملک بھر کے محنت کش عوام ہیں منہاج برنا کا کہنا تھا کہ ایک طرف تو قانون کا احترام کرنے کی بات کی جاتی ہے دوسری طرف خود حکومت قانون کو توڑتی ہے۔

شالی آزادی صحافت کا نام لے کر جس طرح غیر معمولی قوانین کے ذریعے اخبارات کی آزادی کو سلب کیا جا رہا ہے اس پر ایپنک اور پی ایف یو جے خاموش نہیں بیٹھ سکتی۔ آزادیٔ صحافت کا مسئلہ صرف صحافیوں کا ہی نہیں ہے یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے مزدوروں کسانوں اور طالب علموں کی جدوجہد آزادی صحافت سے علیحدہ نہیں اسی لئے آج اخباری کارکن اپنی جدوجہد میں اکیلے نہیں۔

جلسے سے مزدور رہنما عثمان بلوچ، کنیز فاطمہ ایچ یو لودھی امیر محمد خان الورواسطی نے بھی خطاب کیا۔

پریس کلب کا جلسہ

گرفتار شدہ صحافیوں کو رہا کرو
آزادی صحافت بحال کرو۔

"لاہور چلو" "لاہور چلو" کے نعروں کی گونج میں اخباری کارکنوں کا جلسہ اس سال کراچی پریس کلب میں یکم مئی کے سلسلے میں ہونے والے جلسوں میں سب سے بڑا تھا۔ اپنے ساتھی صحافیوں کی گرفتاری کے سبب اخباری کارکن بڑے پر جوش تھے۔

مشرق ایمپلائز یونین کے سیکرٹری دلی رضوی کا کہنا تھا کہ حکومت ایک سازش کے ذریعہ اخباری صنعت کو بند کرنا چاہتی ہے۔ پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈیننس کے ذریعہ جس تیزی سے اخباروں کے خلاف کارروائی ہو رہی ہے اس سے مقبروں کا سناٹا چھا جائے گا صحافی بند مساوات بند، الفتح بند، معیار بند مگر حکومت کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ وہ ہماری جدوجہد کو بند نہیں کر سکتی۔

مزدور رہنما کنیز فاطمہ نے اپنی پرجوش تقریر میں حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ جن ہتھکنڈوں سے اخباری کارکنوں کو دبا رہی ہے اس پر محنت کش زیادہ عرصے تک علیحدہ نہ رہ سکیں گے۔ اور جب بھی ایپنک اور پی ایف یو جے نے انہیں دعوت دی وہ کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔

حبیب جالب پریس کلب میں بھی ورکرز رابطہ کمیٹی کے جلسے والے موڈ میں تھے: "کہاں قاتل بدلتے ہیں فقط چہرے بدلتے ہیں"۔ پڑھتے ہوئے جالب نے کہا کہ اب محنت کشوں کو چاہیئے۔ کہ وہ کسی سرمایہ دار اور جاگیردار کی پارٹی کا دم چھلا بننے کے بجائے "محنت کشوں" کا وسیع تر اتحاد بنائیں اور اپنا علم خود اٹھائیں

پی ایف یو جے کے صدر منہاج برنا نے یکم مئی کے شہداء کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے پاکستان میں مزدوروں کی جدوجہد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ماضی کے تجربے نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ فروعی اختلافات اور انفرادیت پسندی نے بائیں بازو کی تحریک کو بڑا نقصان پہنچایا ہے اس لئے آج ہمیں اتحاد کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے مارشل لاء پاکستان میں ایک نارمل لاء بن چکا ہے۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ہے ہزاروں سیاسی کارکن، مزدور کارکن اور اب اخباری کارکن بھی جیلوں میں ہیں اخبارات کا گلا گھونٹا جا رہا ہے منہاج برنا نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ مساوات لاہور سے شروع ہونے والی اخباری صنعت کے کارکنوں کی جدوجہد طاقت سے نہیں دبائی جا سکتی مساوات کا دفتر بند کیا گیا ہے اور وہاں پر بھوک ہڑتال کرنے کی اجازت نہیں تو لاہور کی سڑک اور چوک پر بھوک ہڑتال ہو گی اور پھر اس کا دائرہ ملک کے دیگر حصوں میں بھی وسیع ہو سکتا ہے۔

میران ناکہ سے جلوس

یوم مئی کے سلسلہ میں مزدور کسان طلبہ رابطہ کمیٹی نے پابندی کے باوجود میران ناکہ سے جلوس نکالا۔ صبح ہی سے مزدوروں کی ایک بہت بڑی تعداد جمع ہونا شروع ہو گئی تھی۔ مقررہ وقت پر نکلتے جلوس نے نعرے لگاتے ہوئے جیسے ہی چند قدم بڑھائے پولیس کے دستے ان پر ٹوٹ پڑے سپلے کارڈ چھین لئے گئے۔ بینرز پھاڑ دیئے گئے اور قیادت کرنے والوں کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ اور اسی شام کو سرسری سماعت کی فوجی عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ فوجی عدالت نے عوامی رابطہ کمیٹی کے چیئرمین جاوید شکور کو ایک سال پندرہ کوڑے محمد فصیح، عبدالمجید، صغیر حسین، سیلم بلوچ، محمد ایوب، نیاز احمد، مصطفےٰ، غلام نبی، بابو لال اور فضل الرحمان کو ایک سال قید، دس کوڑے کی سزا سنا دی۔

بی ایس او کا جلسہ

یوم مئی کے سلسلے میں ڈاؤ میڈیکل کالج میں بی ایس او کے زیر اہتمام حفیظ بلوچ کی صدارت میں جلسہ ہوا جس میں طلبہ کی دیگر تنظیموں نے بھی شرکت کی۔

جلسے سے خطاب کرتے ہوئے بی ایس او کراچی کے صدر حفیظ بلوچ نے شکاگو کے شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ جو پرچم، شکاگو سے بلند ہوا تھا وہ آج دنیا بھر کی مظلوم قومیتوں، محنت کشوں اور طالب علموں کی جدوجہد کی علامت بن چکا ہے بی ایس او کے اس جلسہ سے جہاں زیب بلوچ، واحد بلوچ رفیق پٹیل، حسن جاوید، محمد رحیم، ضیا اعوان نے بھی خطاب کیا جلسے کے آخر میں ایک قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے وہ سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھائے عدلیہ کا وقار بحال کرے بلوچستان میں ہونے والی ماضی کی غلطیوں کا اعادہ نہ کرے اور ایک دوسری قرارداد میں بی ایس او نے اخباری صنعت کے کارکنوں کی جدوجہد میں اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔

۵۵

لاھور

ایم - ایم احمد

لاھور سازش کیس سے پردہ اٹھ رہا ہے

ایف آئی آر اور حاجی حبیب الرحمان کے بیان نے کیس کمزور کر دیا

لاہور "بم کیس" واقعی ایک خطرناک صورت اختیار کر گیا، وہ اس طرح یہ کیس بنانے والی پنجاب پولیس خود اس کیس میں گرفتار ہو گئی ہے اور وفاقی تحقیقاتی ادارے عرف ایف آئی اے و انٹیلی جنس نے خود اس کیس کی تفتیش شروع کر دی ہے۔ یہ "بم" آئی جی پنجاب پولیس حاجی حبیب الرحمان نے تیار کیا تھا لیکن اس کی تیاری کے لئے انہوں نے جس قسم کا نقشہ تیار کیا تھا اس کے مطابق یہ تیار نہیں ہو سکا، ان کے ماتحتوں نے اسے کچھ اور ہی شکل دے دی، جس کی وجہ سے اس میں بہت سی خامیاں رہ گئیں اور یہ بلاسٹ نہ ہو سکا اور چالیس پچاس افراد کو اس الزام میں گرفتار کرنے کے بعد ایک ماہ سے زائد عرصے تک جیل اور قلعے میں رکھنے کے بعد بھی عدالت میں چالان تک پیش نہیں کیا جا سکا۔ "بم" کے نقائص اس وقت سامنے آئے جب آئی جی پولیس نے اپنی پبلسٹی کے شوق میں ایک ہفت روزے کو تفصیلی انٹرویو دے مارا۔ انٹرویو میں آئی جی صاحب نے واقعات کی جو تفصیلات بیان کیں ان کے ماتحتوں کی تیار کی گئی ایف آئی آر میں واقعات اس سے بالکل مختلف تھے۔ مثلاً آئی جی صاحب نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ بم ایک کار کی ڈگی میں ٹوکری میں رکھ کر لائے گئے اور سنگترے بیچنے والے کے روپ میں ایک شخص کو ڈگی سے نکال کر دیئے گئے۔ جسے پولیس نے جو کار کا تعاقب کر رہی تھی موقع پر گرفتار کر لیا جب کہ ایف آئی آر میں لکھا ہے کہ "بم" ایک شخص کے قبضے سے ریکسین کے بنے ہوئے کالے بیگ میں سے برآمد ہوئے۔ پتہ نہیں کہ اب آئی جی صاحب سچ بولتے ہیں یا ایف آئی آر میں جھوٹ لکھا ہے، یہ معلوم کرنا کہ سچ بات کیا تھی بم ٹوکری میں رکھے تھے، یا تھیلے میں؟ پولیس نے سنگترے والے کو تو پکڑ لیا، لیکن کار والے کو کیوں چھوڑ دیا؟ پھر دوسرے واقعہ میں بھی "بم" لینے والوں کو پکڑ لیا لیکن دینے والوں کو کیوں چھوڑ دیا؟ ایف آئی اے یا انٹیلی جنس کی ذمہ داری ہے؟ ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ہماری پولیس جھوٹ گھڑنے میں ماہر ہے۔ اور حکومت کو گمراہ کرانے میں اس کا کوئی ثانی نہیں، عین ممکن ہے کہ وہ دوسری تحقیقاتی ایجنسیوں کو بھی گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اور اپنا دامن بچا لے۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق وہ اس مقصد میں کچھ کامیاب بھی دکھائی دیتی ہے، وہ اس طرح کہ ایک سرکاری اخبار کے رپورٹر نے اس سازش کا سلسلہ جرمنی اور لبنان سے ملایا تھا۔ اس لئے اس کیس میں ملوث کئے جانے والے پی یو جے مساوات یونٹ کے صدر خالد چوہدری کی اہلیہ کا تعلق جرمنی سے ہے۔ جبکہ تحقیقاتی ادارے اس کا رشتہ ایک عظیم ہمسایہ ملک اور مسلمانوں کی ایک طاقتور تنظیم سے جوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شاید اس لئے اس عظیم برادر ملک نے جناب بھٹو کی سزائے موت ختم کرنے کی اپیل کی تھی، اور اس تنظیم کے جناب بھٹو سے قریبی تعلقات رہے ہیں۔ وسوسے اور خوف خیالات کو یقیناً بھٹکا دیتے ہیں، لیکن جب ان میں پولیس کی کارروائی کا دخل بھی ہو تو انہونی باتیں سوجھنے لگتی ہیں۔ اس "کیس" کی اصل نوعیت کیا ہے۔ اس کے بارے میں عالمی خبر رساں ایجنسی اے ایف پی کے نمائندے نے لکھا ہے کہ اس کا مقصد یہ تاثر دے کر پیپلز پارٹی تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہے، اسے عوام سے الگ تھلگ کرنا ہے۔ اس کیس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے اور بیگم نصرت بھٹو کو اس میں ملوث کرنے کے لئے پارٹی سے نکالے گئے مولانا کوثر نیازی کی بھی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔" اور سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندیوں کے باوجود ان سے اس بارے میں بیانات دلوائے جا رہے ہیں۔ مقصد جو کچھ بھی ہو۔ "پیپلز پارٹی کی جڑیں عوام میں ہیں" اور درخت کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے اس قسم کے گھٹیا منصوبے کامیاب نہیں ہوا کرتے "پیپلز پارٹی اس کیس سے پہلے بھی اتنی ہی مقبول تھی جتنی اب ہے بلکہ اس کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے۔

OO

ایڈیٹر کا صفحہ

ہمارے معاشرہ کے بقا کے امکانات ہیں یا نہیں؟

فلسفے کے ایک محترم استاد سے ملاقات ہوئی، تو وہ بڑے دردمندانہ الفاظ میں کہنے لگے: "آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ارتقاء یا بقا کے کتنے امکانات ہیں، کیا ہمارا معاشرہ اتنا مستحکم ہوگیا ہے کہ وہ تغیر و تبدل کے صدمے برداشت کرتے ہوئے اپنی روایات برقرار رکھے اور باقی رہے"

یہ بات واقعی بڑے دکھ کی بات ہے اور اس پر جذبات سے ہٹ کر سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے کہ ۳۰ سال میں معاشرتی اقدار کی تعمیر میں کوئی تسلسل نہ ہونے کے باعث آج ہمارا معاشرہ جس انتشار، تذبذب اور دو عملی بلکہ کئی عملی میں مبتلا ہے، اس کا اثر ہماری آئندہ نسلوں پر کیا پڑ رہا ہے، ان کے ذہنوں کی کیا نشو و نما ہو رہی ہے۔ ہر گھر تضادات میں پرورش پا رہا ہے۔ ہر محلّے میں چیختے ہوئے تضادات ہیں، ہر شہر میں ذہنوں کا تصادم ہے، پورے ملک میں تضادات کا ہنگامہ ہے، یہ تضادات تعصبات کو جنم دے رہے ہیں۔

کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے کی بنیادی اقدار کیا ہیں، پاکستانی معاشرے کی آخر کیا پہچان ہے۔ اسلامی معاشرے کا لفظ استعمال کرنا بہت آسان ہے، ——— لیکن اس کی تخلیق یا تعمیر آسان نہیں ہے۔ ایسے معاشرے کی پہلے کوئی مثال بھی نہیں ملتی ہے، معاشرت میں زمین، ماحول اور جغرافیائی صورت حال کا بنیادی اثر ہوتا ہے، معاشرت جیتے جاگتے انسانوں کے باہمی روابط سے شکل پاتی ہے، یہ تصور میں یا خلاء میں صورت پذیر نہیں ہوتی، اور یہ ایک مسلسل عمل ہے، کسی ضابطے، حکم یا تعزیرات کے نفاذ سے ایک محدود عرصہ میں قائم نہیں ہوسکتی۔

اور یہ بھی نہیں ہے کہ تشدد، دباؤ یا جبر کے باعث معاشرت کی تعمیر کا عمل رک جائے۔ معاشرت ایک فطری اور ارتقائی اور طبقاتی شکل تو بتدریج جنم پا رہی ہے۔ آپ اپنے عوام کی طرف دیکھئے۔ ان میں زمین سے محبت بھی ہے۔ وہ اپنے دین سے بھی گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے بارے میں عام طور پر کسی جنون میں مبتلا نہیں ہوتے، وہ اسلام کی عام فہم تشریح کرتے ہیں اپنے ملک کو جدید، ترقی یافتہ، خوشحال اور مستحکم دیکھنا چاہتے ہیں، اس کے لئے وہ دن رات محنت کرتے ہیں کم کھاتے ہیں، گاڑھا پہنتے ہیں، لیکن انتہائی محنت کرتے ہیں، انہیں جب بھی اپنی رائے کے اظہار کا موقع ملا ہے، انہوں نے ایسے لوگوں کو اپنے لئے منتخب کیا ہے، جو اس ملک کو ترقی پسند اسلامی معاشرے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ فرقہ واریت سے پاک، کٹھ ملائیت سے آزاد، جو لوگوں کو بولنے، لکھنے اور گھومنے پھرنے کی آزادی دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔

عوام میں تو ایک معاشرے کی بنیادی اقدار موجود ہیں، لیکن خواص۔ منافقت کا شکار ہیں، ہمارے دانشور بالخصوص، ہمارے ہاں معاشرے کی ارتقائی تعمیر میں رکاوٹیں ریاستی مشینری کی طرف سے ہمیشہ پڑتی رہی ہیں کہ وہ آزادیٔ اظہار پر پابندیاں عاید کرتے ہیں اجتماعات سے منع کرتے رہے، صحافت کو آزادی نہیں دی۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عاید کردی۔ یہ ظالمانہ دباؤ۔ ایک سیدھے سادے اور روشن خیال معاشرے کی تعمیر میں رکاوٹ بنتا رہا ہے۔

ان پابندیوں اور دباؤ کے خلاف جو تحریکیں چلی ہیں، وہ صرف چہرے بدلنے تک محدود رہی ہیں، یا عارضی نتائج پر اکتفا کر لیا گیا۔ اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ ان لوگوں نے جو وقتی مفادات سے ہٹ کر سوچ سکتے ہیں، جو تاریخ کی پہنائیوں میں جھانک سکتے ہیں جو ماضی حال مستقبل کو ایک تسلسل میں رکھ کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے سکتے ہیں، انہوں نے پابندیوں اور دباؤ کا اپنی سوچ کے تحت جائزہ لے کر اپنے ہم وطنوں کو کچھ نہیں بتایا، انہوں نے یا تو خاموشی اختیار کر لی جیسے یہ مسئلہ ان سے متعلق ہی نہیں ہے، یا انہوں نے منافقت اختیار کر لی۔

سیاسی جماعتیں اور سیاسی رہنما وقتی طور پر تو ملکی فضا کو بدل سکتے ہیں، لیکن معاشرے کو مستحکم بنانے والی تبدیلیوں کی تخلیق، دانشوروں اور مفکروں کا منصب ہی ہے، ہمارے معاشرے میں سوچ کا تسلسل ختم ہوگیا ہے۔ ایسے لوگ ضرور ہوں گے، جو اپنے آپ کو عارضی، وقتی مصلحتوں اور مفادات سے بالاتر کر کے مسائل کو وقت کے جاری و ساری تسلسل میں رکھ کر سوچتے ہوں گے۔ ان کی سوچ اگر لوگوں تک پہنچے، تو معاشرے میں وحشت کی بجائے ایک مہذب رویہ جنم لے سکتا ہے، عوام اپنے آبائی وطن کے لئے، اپنی زمین کے لئے بڑی صحیح سوچ اور جذبہ رکھتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے دانشور اور مفکر، عوام کے مسائل پر ایسا تجزیہ پیش کریں جو صرف اور صرف حقیقت پسندانہ ہو، فکری روایت کے تسلسل میں ہو، جو سیاسی وابستگیوں سے آزاد، کسی قسم کے تعصبات سے ماوراء ہو۔

فکری روایت کو آگے لے کر چلنے سے ہی قوم میں سوچنے کی قوت نمو پائے گی، معاشرے کو ایک سمت ملے گی ہم اپنی مساعی کو، جدوجہد کو ایک راستے پر ڈال

باقی صفحہ ۵۰ پر

جنرل ٹکا خان ، مارشل لاء کی زد میں !

جنرل ٹکا خان جو چیئرمین بھٹو کو لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے ملنے والی سزائے موت کے تیسرے دن لاہور میں گرفتار کر لئے گئے تھے۔ اور جن پر پہلے مارشل لاء کے ضابطے عائد کئے گئے اور ان پر اقدامِ قتل، بلوہ اور لوٹ مار کی دفعات نافذ کی گئیں اب ان کے خلاف یہ تمام مقدمات واپس لے کر صرف مارشل لاء کے ضابطے کے تحت کچھ عرصہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا ہے

جنرل ٹکا خان موجودہ چیف آف آرمی سٹاف سے پہلے چیف آف آرمی سٹاف تھے۔ وہ پاکستان کے چند انتہائی نامور بے غرض، ایماندار اور مشن کو مشن سمجھ کر کامیابی تک پہنچانے والے جنرلوں میں سے ہیں۔ انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد کی تھی۔ وہ پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے رکن بھی ہیں پھر سرکاری ملازمت کے دو سال بعد تک سیاست میں حصہ نہ لینے کی پابندی کا شکار ہو گئے۔ مارچ ۱۹۷۸ء میں ان کی یہ پابندی ختم ہو گئی تو سیاسی سرگرمیوں پر پابندیاں شروع ہو گئیں اور انہیں خاموشی سے بیٹھنا پڑا۔ اس اثنا میں انہیں پارٹی کا ایڈیشنل سیکرٹری جنرل مقرر کیا گیا۔

وہ پیپلز پارٹی کے ان چند رہنماؤں میں سے ہیں جنہیں سیاست کے لئے "اہل" کا سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے۔

عوام جس طرح میدانِ جنگ میں ان کی بہادری اور جرأت کے قائل تھے۔ اسی طرح اب میدانِ سیاست میں بھی ان کی بے باکی کے قائل ہو گئے ہیں۔

دشمن جانتا ہے ادھر ٹکا خان ہے

انھوں نے پہلی بار ۱۹۷۱ دوسری بار ۱۹۷۲ میں اقتدار کی پیش کشوں کو ٹھکرا دیا

دسمبر ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ بھارتی ریڈیو سے جنرل مانک شا کا بار بار یہ اعلان نشر کیا جا رہا تھا کہ پاکستانی فوجیں چاروں طرف سے مکمل طور پر گھر چکی ہیں، وہ ہتھیار ڈال دیں۔ ان کے ساتھ جنیوا کنونشن کے مطابق سلوک کیا جائیگا۔

پاکستان میں ریڈیو پاکستان سننے والے اب بھی امیدیں باندھے بیٹھے تھے۔

کچھ لوگ ساتویں امریکی بحری بیڑے کے منتظر تھے کچھ مشرقی پاکستان میں چین کی فوجوں کا انتظار کر رہے تھے۔ اس وقت کے نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو سیکورٹی کونسل میں سفارتی جنگ لڑ رہے تھے۔ غیر ملکی اخبارات اور ریڈیو یہ خبریں نشر کر رہے تھے کہ مشرقی پاکستان سے پاکستان کمانڈر نے اقوام متحدہ کو تار بھیجے ہیں۔

عین اسوقت ایوانِ صدر راولپنڈی میں جنرلوں کے درمیان اقتدار کی کشمکش جاری تھی، جنرل یحییٰ خان جنرل حمید، جنرل پیرزادہ، جنرل عمر کو اپنا انجام نظر آ رہا تھا، ان کے حامی بھی دیکھ رہے تھے کہ مشرقی پاکستان میں شکست کے بعد ان لوگوں کا اقتدار میں رہنا مشکل ہوگا، عام تاثر بھی یہی تھا کہ اب فوج کے پاس سیاسی اقتدار رہنا ناممکن ہو جائیگا۔ ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کا نمائندہ آرنلڈ ٹیبلن ۱۰ دسمبر کو ہی یہ خبر بھیج چکا تھا کہ مشرقی پاکستان میں پاکستان کو شکست ہو جائیگی اور مغربی پاکستان میں نئی حکومت قائم ہوگی، جس کی سربراہی فوجی جنرل کرے گا مگر کابینہ میں منتخب سیاسی لیڈر ہوں گے۔ ایسے میں جنرلوں میں سے صرف ایک شخصیت ایسی تھی، جس کا احترام، عزت اور وقار اب بھی موجود تھا۔ اور وہ اگر برسرِ اقتدار آ بھی جاتی تو عوام اسے قبول کر لیتے۔

دائیں بازو کے لیڈروں نے جواب تک یحییٰ خان کی ہر مسئلے پر حمایت کرتے آ رہے تھے۔ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی، ضمنی انتخابات، غیر نمائندہ حکومت

میدانِ جنگ میں بھی بیخوف، میدانِ سیاست میں بھی بے باک

کے قیام سے لیکر نیشنل عوام پارٹی پر پابندی تک ہر اقدام کی انہوں نے تعریف کی تھی، انہیں ضد تھی تو صرف ذوالفقار علی بھٹو سے۔ اس وقت بھی وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ مشرقی پاکستان میں شکست کے بعد باقی ماندہ پاکستان میں تو اکثریتی پارٹی پیپلز پارٹی ہے۔ اس لئے وہ برسرِ اقتدار ضرور آئے گی۔ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو وزیرِ خارجہ کی حیثیت سے سلامتی کونسل میں پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے، ملک سے ان کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھانے کے لئے دائیں بازو کے رہنماؤں نے اپنی سرگرمیاں اور سازشیں تیز کر دیں، انہی دنوں میں ان عناصر نے جنرل ٹکا خان تک بار بار یہ پیغام پہنچایا کہ وہ ملک کا اقتدار سنبھال لیں، فوج میں سے بھی بعض عناصر نے اس خیال کی تائید کی یہ انتہائی نازک لمحہ تھا۔ کوئی بھی مہم جو، جاہ پسند، موقع پرست جنرل ہوتا، وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا، لیکن جنرل ٹکا خان نے ایک سچے سپاہی ہونے کا ثبوت دیا اور فوج کو سرِ بادہ سیاست میں داخل ہونے سے روکا۔

اس وقت دائیں بازو کو جنرل ٹکا خان کے اس رویے سے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ حالانکہ اگر وہ جنرل ٹکا خان کی پوری فوجی زندگی کا مطالعہ کرتے تو وہ بخوبی دیکھ سکتے تھے کہ انہوں نے ہمیشہ ایک سچے فوجی کی طرح ہائی کمان کے احکامات کی پابندی کی ہے، اور یہ پورے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں جو بھی مشن سونپا گیا ہے اس میں وہ سرخرو ہوئے ہیں، یہی ایک فوجی سے توقع کی جاتی ہے وہ مشن کے بارے میں فوجی حکمتِ عملی پر تو بات کر سکتا ہے، اس کے لئے مطلوبہ نفری اور اسلحہ پر گفتگو کر سکتا ہے، لیکن اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس مشن کے سیاسی عواقب و نتائج کو درمیان میں لائے۔

یکم جولائی ۱۹۱۵ء کو راولپنڈی سے ۲۸ میل دور تحصیل کہوٹا کے گاؤں جوکھا ممدوٹ میں راجہ اقبال کے گھر پیدا ہونے والے ٹکا خان نے دہرہ دون سے کمیشن لیا تھا، ۱۹۴۶ء میں جنگِ عظیم میں حصّہ لینے کے بعد وہ دہرہ دون میں انسٹرکٹر بنے، بعد میں پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں بھی یہی فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۹۵۵ء میں مختلف مراحل طے کرنے کے بعد وہ بریگیڈیر بنے، ۱۹۵۸ء میں جی ایچ کیو میں ڈائریکٹر آف ڈیوٹیز اور ۱۹۶۰ء میں آرٹلری ڈائریکٹر بنے۔ دسمبر ۱۹۶۲ء میں ایک ڈویژن کے کمانڈر مقرر کئے گئے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں وہ سیالکوٹ کے محاذ پر تھے ان سے پہلے اس علاقے کے کمانڈر نے سیالکوٹ شہر کو خالی کرنے کا حکم دیدیا تھا، بعد میں جب جنرل ٹکا خان کو اس محاذ کی کمان سونپی گئی، تو جب یہ شہر میں داخل ہوئے تو شہری سازوسامان سمیت شہر کو خالی کر رہے تھے، شہریوں کو معلوم ہوا کہ ٹکا خان اس محاذ پر آ گئے ہیں، تو وہ شہر میں واپس چلے آئے کیونکہ اب انہیں احساس ہو گیا تھا کہ دشمن آسانی سے شہر میں نہیں داخل ہو سکے گا۔

جنرل ٹکا خان کے قریبی لوگوں کا کہنا ہے وہ جنگ کی منصوبہ بندی کے ماہر ہیں، جنگ کے دوران ان کا سارا وقت نقشوں کے سامنے کھڑے گذرتا ہے، اور وہیں سے احکامات کے ذریعے وہ فوج سے صحیح صحیح نشانے لگواتے رہتے ہیں۔ جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے دوران صحافیوں کا ایک وفد سیالکوٹ محاذ پر ان سے ملنے گیا تو یہ نقشے کی مدد سے جنگ کی رفتار بتا رہے تھے۔ ایک صحافی نے کہا "جنرل! آپ اتنی نزدیک سے یہ جنگ لڑ رہے ہیں، دشمن کو ادھر پیشقدمی میں آسانی ہو سکتی ہے"

جنرل کا جواب تھا۔

ENEMY KNOWS TIKKA KHAN IS THERE.

"دشمن جانتا ہے ادھر ٹکا خان ہے"

جنگ ستمبر میں اس کامیاب کمانڈ کے بعد جب ایوب خان نے تمام "جنگجو" جرنیلوں کو پیش منظر سے ہٹایا تو جنرل ٹکا خان کو بھی پہلے اسٹاف کالج کوئٹہ میں اور پھر بعد میں جی ایچ کیو میں دفتری کاموں پر مامور کر دیا۔

۱۹۶۹ء میں انہیں لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی دی گئی اور کور کمانڈر بنا دیا گیا، انہی دنوں میں یحییٰ خان

کا مارشل لا نافذ ہوا تو جنرل ٹکا خان مغربی پاکستان یعنی زون
لے کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بنے۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں
جب تمام سیاسی مذاکرات ناکام ہو گئے اور یحییٰ خان کے
بعض جرنیلوں اور دائیں بازو کے لیڈروں کی سازش کے
باعث سیاسی سمجھوتہ نہ ہو سکا، اور یحییٰ خان نے فوجی کارروائی
کا فیصلہ کر لیا، تو ایڈمرل احسن صاحب کو واپس بلا کر جنرل
ٹکا خان کو اس جلتے ہوئے ماحول میں جبکہ بغاوت اپنے
عروج پر تھی حالات پر قابو پانے کے لئے بھیجا گیا، یہ میرے
خیال میں جنرل ٹکا خان کی زندگی کا سب سے مشکل مشن تھا۔
کیونکہ سیاسی طور پر فضا بالکل مخالف تھی، غیر ملکی رائے عامہ
بھی شدید خلاف تھی۔ مقامی آبادی میں سے بہت کم
لوگ ساتھ تھے، یہاں تک کہ چیف جسٹس نے ان سے
گورنر کے عہدے کا حلف لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔
اس وقت کی کہانی انکی زبانی ہی سنئے:۔

۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو مجھے اس وقت کے سربراہ مملکت
جنرل یحییٰ خان نے طلب کیا اور مجھے مطلع کیا گیا کہ مجھے مشرقی
پاکستان کا گورنر اور وہاں موجود پاکستانی فوج کا کمانڈر مقرر
کیا گیا ہے۔

۷ مارچ کو میں مشرقی بازو کے دارالحکومت ڈھاکہ
میں پہنچا۔ اس روز عوامی لیگ کے رہنما شیخ مجیب الرحمن
نے صوبے بھر میں ہڑتال کا اعلان کیا تھا، زندگی مفلوج
ہو چکی تھی، اور حتیٰ کہ سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں بھی کام
معطل ہو چکا تھا۔ شیخ مجیب الرحمن کئی عام جلسے منعقد کر کے
اس میں سول نافرمانی اور بغاوت کی قراردادیں منظور کر چکے
تھے، انہوں نے عوام سے کہا تھا کہ وہ سیاہ جھنڈے
لہرائیں، اسی روز شام کو میں نے صوبائی حکومت کے
چیف سکریٹری اور پولیس کمشنر سے کہا کہ وہ شیخ مجیب الرحمن
کو میرے ساتھ ملاقات کے لئے گورنر ہاؤس میں آنے
کی دعوت دیں، شیخ مجیب الرحمن نے اس وجہ سے آنے
سے انکار کر دیا کہ وہ گورنر ہاؤس میں آنے کو پسند نہیں کرتے
میں نے سیکریٹری اور کمشنر سے کہا کہ وہ شیخ مجیب الرحمن
کو بتائیں کہ چونکہ میں نے ابھی تک چیف جسٹس کے
سامنے حلف نہیں اٹھایا۔ اس لئے میری رہائش گاہ ابھی
گورنر ہاؤس نہیں بلکہ مملکت پاکستان سے وابستہ ہے لیکن
شیخ مجیب الرحمن نے اپنے انکار پر اصرار کیا اور تجویز پیش کی
کہ مجھے اس کے گھر آنا چاہیے کیونکہ وہ عوام کا منتخب لیڈر
ہے، میں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ کیونکہ اس کا گھر اتنی
بڑی میٹنگ کے لئے موزوں نہیں تھا۔ میں نے تجویز کیا کہ یہ
میٹنگ قومی اسمبلی کے حدود میں ہو جائے لیکن مجیب نے
وہاں آنے سے بھی انکار کر دیا۔

میں نے اس سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا، اور حکومت
کے سیکریٹری سے کہا کہ وہ مشرقی پاکستان کے گورنر کی حیثیت

سے میری رسم حلف برداری کا اہتمام کرے، میں بڑا حیران
ہوا، جب سکریٹری میرے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ
چیف جسٹس اس تقریب میں شرکت نہیں کر سکتے، کیونکہ
انہیں بھی شیخ مجیب الرحمن کی طرف سے کی گئی ہڑتال کی
پابندی پر مجبور کیا گیا ہے۔ وہ خطرہ مول لینے سے ڈرتے
ہیں اس طرح میں قانونی طور پر یہ عہدہ نہ سنبھال سکا۔
میرے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں اپنا
دوسرا عہدہ یعنی افواج پاکستان کی کمان سنبھالوں۔

یہ حالات تھے جن میں جنرل ٹکا خان نے اپنی زندگی
کے اس مشکل ترین مشن کا آغاز کیا تھا، اس وقت انٹیلی
جنس کی رپورٹیں بھی صحیح نہیں ملتی تھیں کیونکہ لوگ انٹیلی
جنس کے ذرائع سے تعاون نہیں کر رہے تھے، فوجوں
کو خوراک تک فراہم نہیں کی جا رہی تھی۔

مارچ سے مئی کے ابتدائی دنوں تک بغاوت
فرو کرنے کا سلسلہ جاری رہا، جون میں بڑی حد تک حالات
قابو میں آ گئے تھے اب ظاہر ہے کہ جنرل کا مشن مکمل ہو گیا
تھا اب مسئلے کا سیاسی حل تلاش کرنے کی ضرورت تھی۔
جولائی میں جب جنرل ٹکا خان اپنے اس مشن سے واپس آئے
اس وقت مشرقی پاکستان میں مخالف عناصر کی سرگرمیاں

ٹکا خان سچے فوجی نہ ہوتے تو پہلی منتخب سیاسی شہری حکومت بہت پہلے دم توڑ چکی ہوتی

دم توڑ چکی تھیں، اس وقت صحیح سیاسی فیصلہ کیا جاتا تو یقیناً آج تاریخ اور ہوتی، وہاں پھر دائیں بازو کے طالع آزماؤں کے ہاتھ میں اقتدار دیدیا گیا، جن کا عوام سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔

جنرل ٹکا خان کو بنگلہ دیش کا قصاب بھی کہا گیا ہے لیکن دنیا میں کسی خطے میں بھی کسی بھی جنرل کو اگر ایسا مشن دیا جائے، تو اس سے ایسے ہی سخت اقدامات کی توقع بھی کی جاتی ہے، جنرل سیاسی مذاکرات کے لئے کسی علاقے میں نہیں جاتے، انہیں ایک مشن دیا گیا، انہوں نے اسے مکمل کر دکھایا۔

اس کامیابی کی وجہ سے ہی دسمبر ۱۹۷۱ء میں ایک بار پھر لوگوں نے جنرل ٹکا خان کی ضرورت محسوس کی تھی مگر انہوں نے سچے فوجی کی حیثیت سے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ پھر جب جنرل گل حسن کو بری فوج کا سربراہ بنایا گیا۔ تو بھی جنرل ٹکا خان نے اسے سچے فوجی کی حیثیت سے تسلیم کیا، لیکن جلد ہی انہیں اپنا حق مل گیا۔

دائیں بازو کے طالع آزماؤں نے ایک بار پھر جنرل ٹکا خان کو اسی دام ہم رنگ زمین میں پھنسانا چاہا جولائی ۱۹۷۲ء میں جب سندھ میں لسانی فسادات ہوئے اور حالات قابو سے باہر ہو رہے تھے۔ تو جماعت اسلامی جمعیت علمائے پاکستان اور دائیں بازو سے وابستہ عام لوگوں نے جنرل ٹکا خان (جو اس وقت چیف آف اسٹاف تھے) کو تار پر تار بھیجے، کہ وہ آگے بڑھیں اور اقتدار کو سنبھال لیں۔ اس کی صدائے بازگشت قومی اسمبلی میں بھی سنی گئی تھی، کہ جنرل ٹکا خان نے اس موقعے پر بھی سچے فوجی اور سچے پاکستانی ہونے کا ثبوت دیا۔ اور جاہ پسند جنرلوں کی طرح بونا پارٹ ازم کا مظاہرہ نہیں کیا۔

دائیں بازو والے کبھی ان کو حکومت پر قبضے کی دعوت دیتے تھے اور اب انکے دشمن ہیں

اس کے بعد یہ تمام عناصر جو رات دن جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں، اور یوں ایک جنرل کو بار بار اقتدار پر قبضے کی دعوت بھی دیتے رہے۔ بالآخر جنرل ٹکا خان سے وابستہ تمام امیدوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور اب ان کی ریٹائرمنٹ کا انتظار کرنے لگے۔ نئے ضابطوں کے مطابق تینوں افواج کے چیف آف اسٹاف کے لئے تین سال کی مدت رکھی گئی ہے، مارچ ۱۹۷۵ء میں یہ مدت پوری ہو گئی تھی، اب ان عناصر کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ جنرل ٹکا خان کو ریٹائر کیوں نہیں کیا جا رہا، یہ بات پہلی بار اداریئے کا موضوع بنی تھی اردو ڈائجسٹ میں الطاف قریشی صاحب نے گزشتہ سال یہ سوال اٹھایا تھا، اس سے پہلے انہوں نے اور نہ کسی اور صحافی نے کمانڈر انچیف کی تقرری یا ریٹائرمنٹ پر قلم نہیں اٹھایا تھا، اس کے پس پردہ خواہشات اور ریشہ دوانیوں کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے، چونکہ جنرل ٹکا خان نے ان عناصر کی پیش کش کو ہر بار ٹھکرایا، اس لئے وہ ان کی ملازمت میں ایک سال کی توسیع کو بھی برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔

ایسی اچھی فوجی شہرت، عوام میں عزت اور فوج میں وقار رکھنے والا جنرل اگر سچا فوجی نہ ہو اور فوج کی سیاست میں مداخلت کا مخالف نہ ہو تو وہ جمہوریت کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن سکتا ہے۔ اگر جنرل ٹکا خان اپنے آپ کو کی گئی پیش کشوں کو نہ ٹھکراتے تو آج یقیناً جمہوریت نہ ہوتی۔

oo

یونان میں جمہوریت کے قتل کی کہانی

آندرے پاپاندریو کی زبانی

اب میں قید میں نہیں تھا، مگر پورا یونان قید میں تھا

فوج خود فوجی جنتا سے بیزار ہو جائے گی

زندگی روز بروز سخت تر ہوتی جارہی تھی۔ منیوس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ ایک مقدمہ تیار کیا جارہا تھا۔ ایک ایسا مقدمہ جس میں مجھے بھی ملوث کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اسپیڈ اکیس ڈکٹیٹروں کے لئے خاطر خواہ حد تک سودمند ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ ادھر سردی بھی غیر معمولی حد تک بڑھ گئی تھی۔ ایویروف میں گرمی پہنچانے کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ مجھے جتنے سوئیٹر دستانے وغیرہ مہیا ہو سکتے تھے وہ سب میں نے پہن لئے۔ تاہم سردی جاتی نہیں تھی۔ آخر جب میری صحت کو خطرہ لاحق ہونے لگا تو مجھے ایک پٹرول لیمپ کی اجازت دی گئی۔ اس سے بو آتی تھی تاہم زندگی کو قابل برداشت بنانے میں مدد ملتی تھی۔

مارگریٹ نے کسی طرح مجھے خبر دی کہ شاہ ایک انقلاب لانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ ایسی افواہیں کافی عرصے سے اڑ رہی تھیں۔ محل کے اندرونی حلقے سے مارگریٹ کو بتایا گیا کہ شاہ کو میرے ایک خط کی ضرورت ہے جس میں میں اس پر اظہار اعتماد کرتے ہوئے اس کے برپا کئے ہوئے انقلاب کی حمایت کروں۔ تجویز یہ تھی کہ میرا خط جیل سے اسمگل کر کے شاہ تک پہنچایا جائے۔ میں نے اس سے انکار کیا اور میرے اس انکار سے مارگریٹ نے بھی اتفاق کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ شاہ کے دل میں بھی کرنلوں سے زیادہ دستور کا احترام اور یونانی عوام سے محبت نہیں۔ اس لئے میں دستور سے انحراف اور استبداد کو مستحکم کرنے کی حمایت کیونکر کر سکتا تھا۔ یہ وہی شاہ تھا جس نے اس دستور کو توڑا تھا جس کے تحفظ کی قسم کھا چکا تھا۔ مجھے اندازہ

پڑوسی جمہوریتیں، اخلاقی، معاشی اور فوجی طور پر ہماری فوجی حکومت کو تن تنہا کر دیں، تو یہ حکومت گھٹنے ٹیک دے گی،

تھا کہ شاہ ایک اور انقلاب برپا کرے گا تو کس قدر المناک واقعات رونما ہوں گے اور حالات کس قدر پیچیدہ ہو جائیں گے۔

تاہم وہ انقلاب آ گیا جس کے لئے میں تیار نہیں تھا۔ ۱۳ر دسمبر کو دن کے تقریباً ۲ بجے میں نے گارڈس کے اندر کچھ غیر معمولی سرگرمیاں دیکھیں، پہریدار آپس کچھ سرگوشیاں کر رہے تھے اور سپاہی بھاگ بھاگ کر اپنے کوارٹروں میں جا کر سر سے پاؤں تک مسلح ہونے میں مصروف تھے۔ اتنے میں اوپر جٹ طیاروں کی گھن گرج سنائی دینے لگی، الگزینڈر الپونیو پرٹینک دوڑنے لگے۔ اب مجھے یہ سمجھتے دیر نہیں لگی کہ شاہ کا انقلاب برپا ہو رہا ہے۔ میں اپنے اندر جوش و خروش محسوس کرنے لگا صاف طور پر تصادم ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اب مجھے یہ سوچ کر خوشی محسوس ہونے لگی کہ میں نے خود کو شاہ کے ساتھ ملوث نہیں کیا تھا۔ تصادم میں جہاں اچھے امکانات ہوتے ہیں وہیں خطرات بھی ہوتے ہیں۔ اس تصادم میں اگر کرنلوں کو فتح حاصل ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ طویل مدت تک ان کی حکومت قائم ہو جاتے گی میرا جوش و خروش دب گیا۔ اب مستقبل کو سوچ کر مجھے تشویش ہونے لگی۔ لیکن میں کیا کر سکتا تھا۔ میں ایک قیدی تھا، میں بے چینی کے عالم میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ کمرے میں تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ اگر مارگریٹ اس طرف آئی اور اس نے میرے کمرے کو تاریک دیکھا تو اسے میرے متعلق تشویش ہونے لگے گی، حالانکہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اسے میرے متعلق پہلے ہی سے تشویش ہونے لگی ہے۔ شاہ کے انقلاب کی خبر کے ساتھ ہی ساتھ اسے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ شاہ کے حامی شائد مجھے پکڑ کر لے جائیں اور شاہی انقلاب کے حق میں مجھے زبردستی استعمال کریں۔ ادھر یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ کرنل کے حامی مجھے پکڑ کر ریڈیو سے شاہ کے خلاف زبردستی نشری پیغامات دلائیں گے۔ صورت حال دونوں طرح میرے لئے خطرناک تھی جس میں میری جان جانے کا زبردست خطرہ تھا۔ اس سے گھبرا کر مارگریٹ نے امریکی سفارتخانے کا سہارا لینا چاہا۔ وہ اب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ امریکی سفارتخانہ اس معاملے میں غیر جانبدار شاہد کی حیثیت رکھتا ہے۔ مجھے ان باتوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ جب مارگریٹ کے آنے کا وقت قریب معلوم ہوا تو میں کھڑکی کے پٹ کھول کر انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں وہ آ گئی۔ بچے بھی ساتھ تھے۔ مارگریٹ مجھے کھانا دے کر فوراً ہی لوٹ گئی سگریٹ سلگاتے ہوئے جو روشنی ہوئی بچوں نے اس روشنی میں مجھے دیکھا۔ واپس جاتے ہوئے وہ پلٹ پلٹ کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔

دوسری صبح جب میں غسل خانے جانے لگا تو میرے ساتھ جانے والا پہریدار خود کار ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ میں نے موقع دیکھ کر اس سے پوچھا "شاہ کا کیا حال ہے؟" "بہت خراب" اس نے کہا "وہ تو بھاگ رہا ہے۔ اسے ہر محاذ پر شکست ہوئی ہے۔" یہ سن کر میرا دل ڈوبنے لگا۔ اس لئے نہیں کہ میں شاہ کا حامی تھا بلکہ یہ سوچ کر کہ بادشاہ کی شکست کا مطلب ڈکٹیٹروں کے تسلط کا استحکام تھا۔ کیا واقعی بادشاہ اس قدر کمزور اور کرنل اس قدر طاقتور تھے؟

دوسرے دن میرے سیل کے باہر ایک پندرہ فیٹ لمبا اور نو فیٹ چوڑا قفس لا کر رکھا گیا۔ آئندہ مجھے اس قفس نما کٹہرے کے اندر ہی چہل قدمی کرنے کی اجازت تھی اس دوران دو مسلح پہریدار میری نگرانی کرتے رہتے۔ اس سے کوئی بات چیت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ صورتحال میرے لئے مایوس کن تھی لیکن یہ مایوسی عارضی ثابت ہوئی۔ فوجی جنتا نے جب شاہ کے حامیوں کی معافی کا اعلان کر دیا تو مجھے بھی اپنے متعلق کچھ امید پیدا ہونے لگی۔ جب انہوں نے ان افسروں اور فوجیوں کو معاف کر دیا تھا جنہوں نے شاہ کی حمایت میں ان سے براہ راست ٹکر لی تھی تو مجھے معاف کرنے میں کونسا امر مانع ہو سکتا ہے، میں نے نہ تو کبھی ان سے براہ راست ٹکر لی تھی نہ ہی کبھی وہ انقلاب ہی برپا ہوا تھا جس کی سازش میں وہ مجھے ملوث کر رہے تھے، اور پھر مجھ پر جس شاہ کے خلاف سازش کرنے کا وہ الزام عائد کر رہے تھے اس شاہ کی حکومت کا تختہ تو خود انہوں نے الٹ دیا تھا۔ اور اسے جلاوطن بھی کر دیا تھا۔ اب میرے خلاف مقدمہ چلنے اور سزایاب ہونے کا امکان کم ہی رہ گیا تھا۔

رہائی

جمعہ ۲۲ر دسمبر کو یوروپین مشاورتی اسمبلی کے کچھ ارکان پارلیمنٹ کو مجھ سے ملاقات کی اجازت دی گئی۔ ان کی ٹیم تحقیق حال کے لئے یونان آئی تھی جسے تحقیقات کے بعد اسمبلی میں رپورٹ پیش کرنی تھی اس ٹیم کے انچارج نیدرلینڈ کے مسٹر نیگمان اور برطانیہ کے مسٹر سلکن تھے۔ اس کے علاوہ ایک اور پارلیمنٹرین اور ایک یونانی ترجمان بھی تھا۔ میں نے اس ٹیم کے ارکان سے آزادانہ گفتگو کی۔ یہ آزاد جمہوری ملکوں کے ارکان تھے ان سے مل کر مجھے بے حد خوشی اور آزادی محسوس ہوئی۔ یہ ملاقات تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی۔ اس دوران میں نے سیاسی اور اقتصادی اور دوسرے مختلف موضوعات پر کھل کر باتیں کیں۔ اثنائے گفتگو میں نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ حکومت عبوری ہے جیسا کہ دعویٰ کرتی ہے۔

دوسرے دن سنیچر تھا۔ مارگریٹ اور بچے کچھ تاخیر سے مجھ سے ملنے آئے۔ میں ۱۲ بجکر ۴۵ منٹ پر ملاقات کے کمرے میں پہنچا، وہاں مارگریٹ اور بچوں کے علاوہ میری والدہ بھی موجود تھیں۔ وہ سب بہت ہی بشاش نظر آئے، معلوم ہوا کہ میری عنقریب رہائی کی افواہ سارے ایتھنز میں سنی جا رہی ہے اسکے باوجود ہمیں اس افواہ پر کم ہی اعتبار آ رہا ہے کیونکہ ایسی افواہیں پہلے بھی بارہا اڑتی رہی تھیں۔ ہمارا خیال تھا کہ کرسمس کے موقع پر ہماری رہائی ممکن نہیں، جبکہ مارگریٹ کہہ رہی تھی کہ کرسمس سے پہلے ہی رہائی ہو گی ورنہ پھر کبھی نہیں ہو سکتی، ہمارے درمیان یہ بحث جاری ہی تھی کہ تالیوں اور خوشی کے نعروں کی گونج سنی گئی۔ مارگریٹ نے حیرت سے پوچھا "یہ کیا ہے؟" میں نے کہا "شاید کوئی کھیل تماشا ہو رہا ہوگا" لیکن میرا لڑکا جارج بولا "نہیں۔ میں نے اس شور میں معافی کا لفظ سنا ہے۔ عام معافی کا"

مجھے اس پر یقین نہیں آیا۔ ہمارے قریب جو افسر کھڑا تھا اس سے میں نے پوچھا "کیا ریڈیو سے معافی کی کوئی خبر سننے میں آئی ہے؟"

"میں نہیں جانتا، ریڈیو کی باتیں چھوڑیئے اپنی بیوی سے گفتگو کیجئے" اس نے بڑی رکھائی سے کہا میں مایوس ہوگیا اور مارگریٹ کی آنکھوں سے آنسو چھلک کر اس کے رخساروں تک آگئے، اتنے میں ٹورناس نظر آیا میں نے اس سے پوچھا "یہ کیا سن رہا ہوں کیا معافی کا کوئی اعلان ہوا ہے؟"

ٹورناس نے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں، میں نے تو یہی سنا ہے"

ملاقات کا وقت ختم ہو رہا تھا، مارگریٹ اور جارج اور والدہ کو مجھ سے رخصت ہونا تھا، لیکن مارگریٹ کہنے لگی "اب ہم خالی کیوں واپس جائیں، جب معافی دیدی گئی تو ہم تمہیں لے کر ہی جائیں گے" مارگریٹ نے بچوں کی سی ضد کرتے ہوئے کہا، لیکن انہیں جانا ہی پڑا۔ ان کے جانے کے بعد تینوں بچوں صوفیہ، نکولاس اور آندرے کو چیف گارڈ کے آفس میں مجھ سے ملنے کے لئے لایا گیا۔

اس کے بعد ہی ایک مرتبہ پھر خبر سنی گئی۔ ٹورناس نے اندر آکر کہا "آپ کو معافی مل گئی ہے۔ وزیراعظم نے ابھی ابھی اعلان کیا ہے کہ آندرے پاپاندریو سے لیکر ایک ایک سیاسی قیدی تک کو معافی دیدی گئی ہے۔" اب مجھے بھی واقعی خوشی محسوس ہوئی بچے تو خوشی میں تالیاں بجانے لگے۔ انہوں نے ٹورناس سے پوچھا "تو اب پاپا کو کس وقت رہا کیا جائے گا۔؟"

"بس محض چند گھنٹوں کے اندر" ٹورناس نے جواب دیا "سرکاری گزٹ آہی رہا ہوگا اس کے آتے ہی ہم تمہارے پاپا کو رہا کر دیں گے" لیکن اس روز مجھے رہائی نہ مل سکی۔

کرسمس سے قبل کی شام کو مارگریٹ پھر مجھ سے ملنے آئی، وہ پریشان نظر آرہی تھی۔ اس نے آتے ہی پوچھا "کیا بات ہے اب کیوں روک رکھا ہے انہوں نے؟ سرکاری گزٹ آنے میں دیر کیوں ہو رہی ہے۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگئی؟"

کرسمس کے موقع پر اور قیدیوں کے ساتھ مجھے بھی رہا کر دیا گیا

کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی صرف کچھ سوالات کھڑے ہوگئے تھے۔ فوجی جنتا کے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ پاپادوپولوس اعلان کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر گیا معافی محدود پیمانے پر ہونی چاہئے تھی۔ بہر حال اب تو اعلان ہو ہی چکا تھا اور میرا نام خصوصیت سے لیا جاچکا تھا اس لئے مجھے روکنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

شام کے ۶½ بجے ٹورناس میرے سیل میں آیا اور مجھے پبلک پراسیکوٹر کے دفتر میں لے گیا۔ میری بیوی باہر میرا انتظار کر رہی تھی۔ پبلک پراسیکوٹر نے مجھے اخلاقیات پر لکچر پلانا چاہا لیکن میں اس موڈ میں نہیں تھا۔ اس سے میں نے کہا کہ ان باتوں کو جانے دیجئے اور ضابطے کی جو کارروائی ہے وہ کیجئے، اس نے کچھ کاغذات پر میرے دستخط لینے شروع کئے۔

ٹورناس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ابھی میجر راکیڈ جبین یہاں آنے والے ہیں وہی آپ کو اپنی جیپ پر بٹھا کر آپ کے گھر چھوڑ آئیں گے، لیکن میں نے کہا۔ اس کی کیا ضرورت ہے، میری بیوی میرا انتظار کر رہی ہے میں اسی کے ساتھ چلا جاؤں گا" اس نے کہا "چھوڑیئے اب آپ ان سے گھر پر ہی مل لیں گے" اتنے میں راکیڈ جبین آگیا، میں مارگریٹ کو صورت حال بتا چکا تھا، کہ تم آگے چلو میں پیچھے پیچھے آرہا ہوں تاہم اس نے راکیڈ جبین سے کہا: "کیا آپ کی جیپ میں میرے لئے تھوڑی سی گنجائش نکل سکتی ہے؟" لیکن راکیڈ جبین نہ مانا بالآخر وہ پہلے ہی روانہ ہوگئی اور اس کے گھر پہنچنے کے تقریباً ۲۰ منٹ بعد میں بھی پہنچ گیا۔ میرے گھر کے پاس دوستوں کا خاصا ہجوم تھا۔ یہاں بھی دو پولیس والے یہ دیکھنے کے لئے کھڑے تھے کہ امن و امان میں خلل اندازی نہ ہو۔ میرے پہنچتے ہی جارج گھر کے اندر سے نکل کر آیا اور میں صدر دروازے سے گھر کے اندر داخل ہوا۔ یہ کرسمس سے ایک دن پہلے کی بات ہے۔ اس مرتبہ مجھے اس قدر طویل عرصہ تک جیل میں رہنا پڑا تھا کہ ایسا لگا جیسے میری ساری عمر جیل ہی میں کٹی ہو اپنی آزادی پر یقین ہی نہیں آرہا تھا اویروف کی زندگی کے سارے مناظر ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ میرے ذہن پر ان کے نقوش اس قدر گہرے تھے کہ ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو رہا تھا۔

دوسرے دن کرسمس تھا، یہ ہم سبھوں کے لئے خوشی کا دن تھا۔ لیکن مجھے اپنی توقعات سے بھی پہلے ڈکٹیٹر شپ کا بوجھ محسوس ہونے لگا۔ یہ صحیح ہے کہ مجھے آزادی مل گئی تھی اور اب میں قید خانے میں نہیں تھا لیکن سارا یونان جس کا ایک جزو میں بھی تھا مقید ہو چکا تھا۔ اب میرے گھر پر میرے سیاسی دوستوں کا جمگھٹا نہیں رہتا تھا نہ ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی تھی البتہ میرے گھر کے باہر سڑک پر خفیہ پولیس کا ایک آدمی ضرور چکر لگاتا رہتا تھا، رہائی کے دوسرے دن دوپہر ہوتے ہوتے میں بھی وہی کچھ محسوس کرنے لگا جو مارگریٹ، میرے بچے، میرے دوست احباب اور سارا یونان ۲۱ اپریل ہی سے محسوس کر رہا تھا۔ ہمارا ملک کسی کے زیر تسلط آچکا تھا۔ اب ہم پاپاڈوپولوس اور اسکے چند ساتھیوں کے رحم و کرم پر زندگی کا سانس لے رہے تھے۔ تاہم میں نے مستقبل کی طرف بڑھنے میں تھکاوٹ نہیں محسوس کی میں نے یہی فیصلہ کیا کہ آمریت کے خلاف جنگ میں مجھے بھی شریک ہونا ہے قید کی زندگی نے میرے معدے میں خرابی، جسم میں نقاہت اور ٹانگوں میں لڑکھڑاہٹ پیدا کر دی تھی، لیکن میرے عزائم میں کوئی لغزش نہیں پیدا ہوئی۔

کرسمس کی شام کو اپنے والد کے ساتھ کھانے میں شرکت کے لئے ہم سب کاسٹری گئے۔ یہ وہ لمحہ تھا جس کا مجھے مدت سے انتظار تھا مجھے یہ اندیشہ تھا کہ اس قدر طویل عرصے کے بعد مجھے اس حال میں دیکھ کر میرے والد کو صدمہ پہنچے گا۔ لیکن وہ مجھے دیکھ کر آبدیدہ ہونے کے بجائے خوش ہوئے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اس

سے زیادہ خوش انہیں اور کبھی دیکھا ہو۔ ہم کافی عرصے کے بعد ایک مرتبہ پھر یکجا ہوئے تھے اور محدود معنیٰ میں ہی سہی مگر آزاد تھے ایک ساتھ مل بیٹھنے کے لئے آزاد تھے۔ گفتگو کرنے کے لئے آزاد تھے ساتھ کھانے پینے کے لئے آزاد تھے۔ اس رات ہم بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ہماری گفتگو میں مارگریٹ بھی شریک رہی۔

میری رہائی سے پہلے میرے والد سمجھ رہے تھے کہ ابھی مجھے سالہا سال جیل میں رہنا پڑے گا چنانچہ میری اچانک رہائی پر انہیں سخت حیرت تھی۔ پھر انہوں نے خود ہی اسی کی توجیہہ کرتے ہوئے کہا کہ بادشاہ سے بگاڑ کر لینے کے بعد اب پاپاڈوپولوس مغرب سے اپنے تعلقات بہتر بنانا چاہتا ہے۔ یہ عام معافی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ پھر انہوں نے شاہ کے نام اپنے ایک خط کا ذکر کیا اور یہ بتایا کہ اگر شاہ فتحیاب ہوتا تو مجھے جیل ہی میں رہنا پڑتا۔ انہوں نے کہا کہ پاپاڈوپولوس اب فوج میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کی کوشش کرے گا۔ پھر کہا کہ جدید فوجی ڈکٹیٹر شپ سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس لئے اب یونان میں جمہوریت کی جلد بحالی اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ مغربی جمہوریتوں کی طرف سے دباؤ پڑے۔ اگر انہوں نے فوجی حکومت کو اخلاقی معاشی اور فوجی طور پر تن تنہا کر دیا تو یہ حکومت گھٹنے ٹیک دے گی۔ فوجی جنتا کی بقا کا انحصار فوج پر ہے اور فوج کی طاقت معاہدۂ شمالی اوقیانوس اور امریکہ کی تائید و حمایت پر منحصر ہے۔ اگر یہ تائید و حمایت بند ہو گئی تو فوج خود فوجی جنتا سے بیزار ہو جائے گی اور اس کا قائم رہنا مشکل ہو جائے گا۔ میرے والد نے مجھے مشورہ دیا کہ ان حالات میں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو تو بہتر ہے کہ ملک سے باہر چلے جاؤ وہیں بہتر طور پر کام کر سکو گے۔ ملک کے اندر تم پر کڑی نظریں رکھی جائیں گی۔ تمہاری ایک ایک حرکت کا ریکارڈ رکھا جائے گا۔ اگر لوگ تم سے ملنے کے لئے آئے تو فوراً سمجھ لیا جائے گا کہ مزاحمتی سرگرمیاں شروع ہو گئی ہیں۔ پھر تمہیں یہ لوگ آزاد رہنے نہیں دیں گے فوراً ہی گرفتار کر لیں گے۔ ہو سکتا ہے اس مرتبہ قتل ہی کر ڈالیں۔ اس طرح تم ملک کے کام نہ آسکو گے۔ اس کے برعکس غیر ملک میں تم بہت کچھ کر سکو گے۔ تمہیں کئی غیر ملکی زبانیں آتی ہیں۔ تم مغربی ملکوں میں کافی دن رہ چکے ہو۔ ان کا مزاج پہچانتے ہو لہذا اب تم باہر جانے کی تیاریاں شروع کر دو۔

میں نے کہا۔ لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ مجھے باہر جانے کے لئے پاسپورٹ دے دیں گے؟"

ابا جان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ میں جانتا ہوں آسانی سے نہیں دیں گے بلکہ شاید دیں ہی نہیں تاہم درخواست کرنے میں کیا مضائقہ ہے اگر انہوں نے درخواست مسترد ہی کر دی تو پھر تم غیر قانونی ذرائع سے نکل جانا۔"

ابا کی بات میری سمجھ میں آگئی لہذا میں نے دوسرے ہی دن اپنے پاسپورٹ کے لئے وزارت داخلہ کے پاس درخواست بھیج دی ساتھ ہی غیر قانونی سفر کی تیاریاں بھی کرنے لگا۔

مجھے اپنے وکیل مینوس ساکیس اور انٹونیس کے لئے بڑی تشویش تھی۔ عام معافی کے باوجود انہیں اب تک رہا نہیں کیا گیا تھا۔ وہ اب بھی جیل ہی میں تھے اسی سے اندازہ ہو گیا کہ عام معافی کا اعلان محض ایک دھوکا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ساکیس اور انٹونیس کو رہا کر دیا گیا لیکن مینوس کو رہائی نہیں ملی ساکیس اور انٹونیس سے معلوم ہوا کہ انہیں جیل میں سخت اذیتیں دی جاتی رہی تھیں۔ ان میں جنسی اذیت بھی تھی۔ ساکیس کے تو کئی دانت بھی توڑ دیئے گئے تھے جسمانی طور پر وہ بالکل نیم جان ہو کر رہ گیا تھا اس پر دل کے دورے پڑنے لگے تھے تاہم وہ ڈاکٹر کے پاس نہیں گیا کہ کہیں پھر کوئی سرکاری چکر نہ شروع ہو جائے۔

زندگی وہ نہیں رہی تھی جس کی میں نے توقع کی تھی میرے دل میں حیرت انگیز طور پر اپنے اہل خاندان کے ساتھ رہنے کی خواہش جاگ پڑی تھی لیکن ملک پر آمریت مسلط تھی جس کے سائے تلے زندگی کو صرف برداشت کیا جا سکتا تھا۔ اپنی خواہش کے مطابق بسر نہیں کر سکتے تھے۔ ایتھنز میں ہر طرف خوف و مایوسی کا دور دورہ تھا بظاہر ہر طرف سکوت تھا لیکن اس سطحی سکوت کے نیچے ظلم و جبر کی مزاحمت کے لئے لاوا پک رہا تھا۔ یہ بڑی ہی سنگین صورت حال تھی اس وقت ملک کا صحیح نقشہ کیا تھا اس کا اندازہ رونالڈ اسٹیل کے ایک خط سے لگایا جا سکتا ہے جو ۹، نومبر ۱۹۶۷ء کو دی نیویارک ریویو آف بکس میں شائع ہوا تھا یہ ان دنوں کا نقشہ ہے جب مجھے رہا ہوئے محض چند ہی دن ہوئے تھے۔ خط میں مذکور تھا

گزشتہ اپریل سے یونانیوں کو مارشل لاء کا سامنا ہے۔ ان کی پارلیمنٹ کا دروازہ بند ہو چکا ہے ان کا دستور معطل ہے اور ان کی سیاسی جماعتیں ممنوع ہیں۔ پریس کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے، نوجوانوں کی بیشتر تنظیمیں توڑ ڈالی گئی ہیں۔ ٹریڈ یونینیں سرکاری کنٹرول میں لے لی گئی ہیں۔ سول سروسوں میں کانٹ چھانٹ کی گئی ہے میئر اور مقامی حکام برطرف کر دیئے گئے ہیں۔ ریڈیو، فلم اور تھیٹر پر زبردست سنسر شپ بٹھا دی گئی ہے۔ لوگوں کو راستے سے اٹھا لیا جاتا ہے پھر وہ ہفتوں غائب رہتے ہیں بعد میں [illegible] میں ہیں۔ ٹیلی فون [illegible] ڈاک کی چھان بین [illegible] کو غیر محتاط گفت [illegible] کے ذریعہ پولیس [illegible] نکتہ چینی کی سزا [illegible] نہ صرف یہ کہ کسی [illegible] بند کر دیا جاتا ہے [illegible] جاتا ہے جو حکومت [illegible] بولتا ہے اور یہ ایک [illegible] جس میں ہر وہ چیز [illegible] جنتا کے استحکام کے [illegible] فوج نے عدالتوں پر [illegible] اس کے فیصلے کے خلاف [illegible] کی جا سکتی ... انداز [illegible] پر فوج نے قبضہ کیا [illegible] ہزار سے زائد افراد [illegible] میں سے بہتوں کے خلاف [illegible] جیسے مبہم الزامات [illegible] کو اس وعدے پر رہا [illegible] کی حمایت کریں گے اور [illegible] سے پرہیز کریں گے [illegible] چھان پھٹک کے ذریعہ [illegible] لیا ہے۔ اس چھان [illegible] بھی ممکنہ ذریعہ [illegible] نے پولیس اور فوج [illegible] افسروں کو نئی حکومت [illegible]

فوجی حکومت معیشت کے ساتھ [illegible]

سینکڑوں افسروں کو نئی حکومت سے وفاداری مشکوک ہونے کی بنا پر سبکدوش کر دیا گیا

ہونے کی بنا پر سبکدوش کر دیا گیا ہے اور جن افسروں نے حکومت کی بقا سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے انہیں ترقیاں دی گئی ہیں ... اعلیٰ مناصب کے شہری حکام کو بھی سیاسی اسباب کی بناء پر برطرف کر دیا گیا ہے۔ ایدنالموس کوٹسونیس کو آرک بشپ مقرر کر کے فوجی جنتا نے آرتھوڈوکس چرچ کو بھی اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ اسکول سے باہر بھی طلبہ کی سرگرمیوں کے لئے اساتذہ کو ذمہ دار قرار دے کر تعلیم پر کنٹرول کو سخت کر دیا گیا ہے اور یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر کسی پروفیسر یا اسسٹنٹ پروفیسر کی کسی حرکت یا طرزِ عمل سے ایسا اشارہ ملا کہ وہ اس جذبے سے متاثر نہیں جس سے موجودہ سماجی حکومت اور قومی تصورات کو فائدہ پہنچتا ہے تو اسے برطرف کر دیا جائے۔ پریس سنسر کے وزنی ہاتھ کے دباؤ تلے ہے۔"

یہ ہے اس یونان کا نقشہ جس میں در زنداں کھلنے کے بعد میں داخل ہوا۔ میرے والد نے مجھ پر زور دیا کہ میں جلد از جلد پاسپورٹ حاصل کرنے کی کوشش کروں اور اگر اس کی امید نہ ہو تو غیر قانونی طور پر نکل جانے کی کوشش کروں کیونکہ انہیں پھر کوئی "حادثہ" پیش آنے کی افواہیں سنائی دینے لگی تھیں اس کے علاوہ میری اچانک رہائی سے متعلق بعض غلط فہمیاں بھی پیدا ہونے لگی تھیں اور ایسا شک ظاہر کیا جانے لگا تھا کہ میں حکومت سے تعاون کروں گا۔

ایسی افواہیں دائیں بازو والوں کی طرف سے پھیلائی جا رہی تھیں جن پر کچھ لوگ یقین کرنے لگے تھے۔ گرچہ یہ افواہیں انتہائی احمقانہ تھیں لیکن ان کی وجہ سے میرے متعلق کچھ لوگوں میں بدگمانی پھیل سکتی تھی۔

اپنے والد کے مشورے پر ۱۳ جنوری کو میں مارگریٹ کے ساتھ امریکی سفیر سے ان کے گھر پر ملنے گیا۔ بظاہر اس کا مقصد یہ تھا کہ انقلاب کے اوائل دنوں میں ان کی حکومت نے جو مداخلت کی تھی اور جس کی وجہ سے میری جان بچ گئی تھی اس کا شکریہ ادا کر دوں لیکن اصل مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ پاپاڈوپولوس حکومت سے متعلق امریکی سفارتخانے کا رویہ کیا تھا امریکی سفیر ٹالبوٹ بڑے دوستانہ طور پر ملے وہ ایک باتونی آدمی ہیں لہٰذا زیادہ تر وہی بولتے رہے جس سے مجھے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ وہ موجودہ صورت حال سے بے حد خوش ہیں۔ انہوں نے جارج پاپاندریو کا موازنہ ایران کے ڈاکٹر مصدق سے کیا انہوں نے ایران کی سیاسی روداد سے متعلق ایک نوٹ پڑھ کر سنایا۔ واقعی جارج پاپاندریو اور شاہ کنسٹنٹائن کی روداد ایران کے ڈاکٹر مصدق اور شہنشاہ کے تصادم سے حیرت انگیز مماثلت رکھتی تھی۔ میں نے ٹالبوٹ سے پوچھا کہ کیا یونان میں شاہ کے خلاف انقلاب میں امریکہ کی کوئی مداخلت ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ نہیں امریکہ نے قطعی کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ اس پر مارگریٹ نے ایک بڑا ہی پیچیدہ سوال پوچھ لیا۔ اگر یہ انقلاب کمیونسٹوں یا بائیں بازو والوں کی طرف سے ہوتا تو کیا اس وقت بھی امریکہ کوئی مداخلت نہ کرتا؟" اس پر ٹالبوٹ نے بڑی بے ساختگی سے کہا۔ "اس صورت میں ہم ضرور مداخلت کرتے اور اس انقلاب کا قلع قمع کر دیا جاتا

گفتگو کے دوران ٹالبوٹ نے مجھ سے کہا کہ کیا آپ امریکہ جانا پسند کریں گے ہم آپ کو ویزا دینے کے لئے تیار ہیں۔ میں نے کہا کہ ویزا تو آپ دے سکتے ہیں لیکن فی الحال میرے پاس کوئی پاسپورٹ ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد میں امریکہ کا شکریہ ادا کر کے چلا آیا

جب میں نے والد کو اس ملاقات کی روداد سنائی تو وہ مطمئن نہیں ہوئے تاہم انہوں نے کہا کہ امریکہ پاپاڈوپولوس کی حکومت کی پشت پناہی ایک خاص حد سے آگے نہیں کرے گا

اس ملاقات کے بہت دنوں بعد جب میں پیرس میں تھا تو وہیں مجھے معلوم ہوا کہ امریکی سفارتخانے کی طرف سے یہ بات اڑا دی گئی تھی کہ ٹالبوٹ سے ملاقات کے دوران ایک تو میں نے اپنے سابقہ طرزِ عمل پر اظہار تاسف کیا تھا اور دوسرے اب میں پاپاڈوپولوس کی حکومت کی پالیسیوں سے قطعی متفق تھا۔ یہ دونوں باتیں غلط اور مہمل تھیں حقیقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں تھا اور مجھے یہ دیکھ کر بے حد صدمہ پہنچا کہ امریکی سفارتخانہ ایسی غلط بیانیاں بھی کر سکتا ہے۔ بحث اس سے نہیں کہ ایسا بیان خود مسٹر ٹالبوٹ نے دیا یا ان کے سفارت خانے کے کسی فرد نے۔ بہرحال یہ بات امریکی سفارت خانے کی طرف سے ایک پریس کانفرنس میں باقاعدہ طور پر کہی گئی تھی

۱۵ جنوری کو وزارت داخلہ کے ایک کرنل نے مجھے مطلع کیا کہ میرا پاسپورٹ تیار ہو گیا ہے لیکن اسے

...رنمنٹ کا سا سلوک کر رہی ہے

لینے کے لئے مجھے خود نائب وزیر اعظم پٹاکوک کے پاس جانا پڑے گا۔ مجھے اس کے پاس جا کر پاسپورٹ وصول کرنے کی تجویز پسند نہ آئی۔ میں نے اپنے والد سے ذکر کیا انہیں بھی یہ بات پسند نہیں آئی۔ انہوں نے کہا کہ کسی شرط کے ساتھ پاسپورٹ نہ لینا کیونکہ تمہارے غیر قانونی طور پر جانے کی تیاریاں بھی مکمل ہو چکی ہیں

میں نے اسی دن رات کو ۸ بجے پٹاکوک سے ملاقات کی۔ میرا پاسپورٹ اس کے پاس ہی تھا۔ اس نے میرا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ تشریف رکھیں مسز پاپانڈریو اب آپ کیسے ہیں؟"

"یقیناً اب اس وقت سے تو اچھی ہوں جبکہ گذشتہ مرتبہ میری آپ کی ملاقات ہوئی تھی" میرا اشارہ قید خانے کی ملاقات سے تھا۔

"اوہو، لیکن ہم نے آپ سے وہاں کوئی بدسلوکی تو نہیں کی تھی" اس نے کہا۔

"نہیں بدسلوکی کیا ہوتی سوائے اس کے کہ مجھے تنہا سیل میں رکھا گیا تھا۔"

"خیر جانے دیجئے اب یہ بتلایئے کہ آپ کا پلان کیا ہے"۔ پٹاکوک نے کہا کیا آپ غیر ممالک جا کر ہمارے خلاف رائے عامہ ہموار کرنا چاہتے ہیں؟

اس کے اس براہ راست سوال پر میں سٹپٹا گیا۔ میں نے کہا۔ دراصل میری صحت بالکل گر گئی ہے اس لئے میں علاج کے لئے جانا چاہتا ہوں۔ علاج کے علاوہ اور کیا کروں گا اس سوال کا سیدھا سا جواب یہی ہے کہ میں علمی کاموں میں مصروف ہو جاؤں گا"۔

"کیا آپ سیاست میں دوبارہ آنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"اگر یونان کے عوام نے چاہا تو میں آجاؤں گا"۔

اچھا ہمارے متعلق، ہماری پالیسیوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟"

پٹاکوس کے اس سوال نے مجھے حیرانی میں ڈال دیا تاہم میں نے بڑی صفائی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھ سے پوچھتے ہیں، اچھا تو سنیئے۔ میں پہلے تعلیم ہی سے شروع کرتا ہوں۔ آپ نے تعلیمی نظام کو تباہ کر ڈالا ہے۔ آپ نے اس ملک کو پچاس سال پیچھے کر دیا ہے"۔

اوپر جیٹ طیاروں کی گھن گرج، اور چوک میں ٹینک دوڑ رہے تھے

پٹاکوس اس پر خفا ہو کر بولا "کیا آپ نے ہمارے قوانین بالتفصیل پڑھے ہیں؟"

"نہیں، مجھے اس کا موقع نہیں ملا"۔ "تو پھر پہلے پڑھ لیجئے"۔ اس نے کہا۔ میں بھی بولنے پر آمادہ ہو گیا تھا اس لئے بولتا ہی گیا۔ "آپ نے یونان کی معیشت کو درہم برہم کر دیا ہے۔ آپ اس کے ساتھ ایک ریجمنٹ کا سا برتاؤ کر رہے ہیں۔ ہر روز ایک نیا قانون ہر روز ایک نیا فیصلہ"۔

پٹاکوس اور بھی خفا ہو گیا کہنے لگا۔ "لیکن ہم نے ایک نئے دستور کا بھی تو وعدہ کیا ہے۔ کیا آپ کو ہماری باتوں پر یقین نہیں؟"

"اس سلسلے میں دو سوالات پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ دستور کیسا ہو گا اور کب آئے گا دوسرے یہ کہ انتخابات کب ہوں گے اور کس کی سرپرستی میں ہوں گے؟

پٹاکوس کی خفگی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس نے کہا کہ انتخابات کے معاملے میں ہم آپ کو حیرت زدہ کر دیں گے۔ انتخابات ایسے وقت کرا دیئے جائیں گے کہ آپ توقع بھی نہیں کر سکتے" اس کے بعد اس نے میرا پاسپورٹ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "یہ رہا آپ کا پاسپورٹ مسٹر پاپانڈریو۔ میں آپ کی اور آپ کے اہل خاندان کی خوش بختی کا خواہاں ہوں"۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہوں بہر حال میری زبان سے بے ساختہ نکل پڑا۔ "اور میں یونان کی خوش بختی کا خواہاں ہوں"۔ یہ کہہ کر میں رخصت ہو گیا۔

اب مجھے میرا پاسپورٹ بلا کسی شرط اور بلا کسی سودا بازی کے مل گیا تھا۔ میں نے ایر فرانس کے آفس سے پیرس کے ٹکٹ خریدے۔ میں جلد سے جلد نکل جانا چاہتا تھا تاکہ انہیں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ میں اور مارگریٹ اپنے ابا کے پاس پہنچے اور ان کے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ ان کے ساتھ یہی میرا آخری کھانا ثابت ہوا۔ انہوں نے میرا پاسپورٹ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا کہ کہیں اس میں کوئی خامی تو نہیں رہ گئی ہے انہوں نے اچھی طرح دیکھ لینے کے بعد اطمینان کا سانس لیتے ہوئے پاسپورٹ میرے حوالے کر دیا۔

اس رات ہم سفر کی تیاریوں میں مصروف رہے اور صبح ۵ بجے ہی ایرپورٹ پہنچ گئے ضابطے کی کارروائیاں بھی جلد ہی ختم ہو گئیں اور ہم ٹرانزٹ ویٹنگ روم میں جا بیٹھے لیکن یہاں بھی ایک کھڑاگ کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایک افسر نے آ کر کہا کہ آپ کا پاسپورٹ تو درست ہے لیکن اس کے ساتھ ایک اور دستاویز چاہیئے اس لئے کہ آپ غیر معمولی آدمی ہیں میں نے پوچھا وہ کیا تو اس نے کہا کہ وزیر کے دستخط سے ایک کلیئرنس درکار ہے اس کے بغیر سفر نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر میں بے حد خفا ہو گیا۔ میں نے کہا دیکھو تمہارے وزیر نے مجھے رات ہی یہ پاسپورٹ دیا ہے۔ اس وقت اس نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی اس کا مطلب یہی تھا کہ میں مزید کسی دستاویز کے بغیر اسی پاسپورٹ سے سفر کر سکتا ہوں لیکن اب جو تم نے یہ بکھیڑا کھڑا کیا ہے تو تم جاؤ جاؤ اپنے وزیر کو نیند سے جگاؤ اور دریافت کرو۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ اگر تم نے میرے سفر میں رکاوٹ ڈالی تو میں اسی ہوائی اڈے پر پریس کانفرنس طلب کر کے سارا کچا چٹھا پیش کر دوں گا"۔ وہ افسر یہ سن کر خاموشی سے چلا گیا پھر کچھ دیر بعد مسکراتا ہوا آیا اور مجھ سے اس زحمت کے لئے معافی کا طلب گار ہوا"۔

طیارہ اڑا تو صوفیہ نیچے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں یونان کی سرزمین سے محبت کرتی ہوں"۔ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ ہم نے بھی خاموشی سے سفر شروع کر دیا۔

(جاری ہے)

آزاد جموں وکشمیر کی

عدالتِ عالیہ میں

مُمتاز راٹھور

کا بیانِ حلفی

حق وانصاف کا عَلَم

بلند کرنیوالوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح

زنداں میں ٹھونسا جانے لگا

مکھیوں مچھروں سلاخوں والی

کھلی کھڑکیوں پھٹے پرانے کمبلوں

کے ساتھ ایک ہی کمرے میں

سات سے زیادہ افراد

آئینی اعتبار سے نامکمل موجودہ اسمبلی اور کونسل عبوری آئین میں ترمیم کی مجاز نہیں

بعدالت عالیہ آزاد جموں وکشمیر مظفر آباد -
راجہ ممتاز حسین راٹھور بنام آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر
بمقدمہ رٹ پٹیشن
بیان حلفی منجانب سائل -
منکہ راجہ ممتاز حسین راٹھور ولد راجہ عنایت اللہ خان حال محبوس ڈسٹرکٹ جیل میرپور حسب ذیل حلفاً بیان دیتا ہوں کہ
۱- آزاد کشمیر کے عبوری آئین ۱۹۷۴ء (INTERIN CONSTITUTION ACT) جو کہ آزاد کشمیر کی تمام سیاسی جماعتوں پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر، آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس، جموں وکشمیر لبریشن لیگ، اور آزاد جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے متفقہ فارمولہ کے مطابق ریاست جموں وکشمیر کی قانون ساز اسمبلی نے منظور کیا تھا، اس عبوری آئین کے تحت آزاد کشمیر ـــــ میں پہلی مرتبہ پالیمانی نظام حکومت قائم ہونا قرار پایا چنانچہ ۱۸ مئی کو اس آئین کے تحت ہونے والے انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر دو تہائی اکثریت حاصل کر کے کامیاب ہوئی اور درخواست دہندہ بھی پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے ٹکٹ پر قانون ساز اسمبلی کا رکن منتخب ہوا پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر نے جون ۱۹۷۵ء کو پہلے اجلاس میں خان عبدالحمید خان کو آزاد کشمیر کا پہلا وزیر اعظم منتخب کیا چونکہ درخواست دہندہ چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی جناب ذوالفقار علی بھٹو

سیشن جج اور لیفٹیننٹ کرنل پر مشتمل کمیشن نے ایک مضحکہ خیز قسم کی چارج شیٹ دیدی

کے ساتھ غیر متزلزل عقیدت اور پارٹی کے منشور پر پختہ یقین رکھنے والا دیرینہ کارکن تھا اس لئے درخواست دہندہ کو آزاد کشمیر کا سینئر وزیر نامزد کیا گیا اور ۴ جولائی ۱۹۷۵ء کو بحیثیت سینئر وزیر آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر، حلف لیا اور خزانہ، قانون و پارلیمانی امور اطلاعات، زراعت، خوراک اور جنگلات جیسے چھ اہم محکمے۔ (PORT FOLIOS) سپرد کئے گئے یہ چیئرمین بھٹو کے ساتھ عقیدت اور پارٹی کے لئے کی گئی ادنیٰ خدمات کا اعتراف تھا۔

درخواست دہندہ زمانہ طالب علمی سے ریاست جموں و کشمیر کی آزادی ـــــ کے لئے کوشاں چلا آیا تھا اس لئے چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی / وزیر اعظم پاکستان، قائد عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کشمیر کی آزادی کے لئے درخواست دہندہ کے دل میں جو تڑپ اور لگن تھی، اور ان کو جو اعتماد تھا کے پیش نظر دسمبر ۱۹۷۵ء میں پندرہ کشمیری رہنماؤں کے ایک وفد کے قائد کے طور پر سعودی عرب حج کے موقع پر بھیجا۔ جہاں درخواست دہندہ نے تحریک آزادی کشمیر کے سلسلے میں تمام اسلامی ممالک سے آئے ہوئے وفود اور سعودی حکومت کے اعلیٰ ارکان سے بھی ملاقاتیں کیں اور آزادیٔ کشمیر کی اس جدوجہد کے سلسلے میں ان کو کشمیریوں کے موقف سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف زبانوں میں لٹریچر بھی فراہم کیا

یہ کہ چیئرمین بھٹو جو کہ وزیر اعظم پاکستان بھی تھے درخواست دہندہ کو زیادہ سے زیادہ سیاسی تربیت دینا چاہتے تھے اس لئے اکتوبر ۱۹۷۶ء کو دو ماہ کے لئے نجی دورے پر یورپ بھیجا گیا تاکہ درخواست دہندہ وہاں کی پارلیمنٹ اور ریاستوں کے مختلف نظام کا مشاہدہ اور ملاحظہ کر کے اپنے علم میں اضافہ کر سکے چنانچہ دو ہفتے تک برطانوی پارلیمنٹ کے طریقہ کار کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور دوسرے ممالک کے نظام ہائے حکومت کا بھی قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع میسّر آیا۔

یہ کہ گذشتہ سال مارچ ۱۹۷۷ء میں پاکستان کے عام انتخابات کے موقع پر پاکستان پیپلز پارٹی کی حمایت کے لئے پشاور سے لیکر کراچی تک تقریباً ۴۰ عام جلسوں سے خطاب کیا اور ریاست جموں و کشمیر کے مہاجرین کی توجہ ان خدمات کی جانب مبذول کروائی جو چیئرمین بھٹو نے کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے حصول کے لئے انجام دے رہے تھے اور آزاد کشمیر کے اس حصے کی صورتحال بھی بتائی جہاں چیئرمین بھٹو کے تعاون سے عوام کی دیرینہ خواہش کے پیش نظر پہلی مرتبہ پارلیمانی اور جمہوری نظام قائم ہوا، اور آزاد کشمیر میں الگ صدر، وزیر اعظم، قانون ساز اسمبلی اور سپریم کورٹ آف آزاد کشمیر قائم ہوئے مظہر نے مہاجرین کشمیر مقیم پاکستان کو جناب بھٹو کے دور میں، آزاد کشمیر میں ہونے والی تعمیر و ترقی سے بھی آگاہ کیا کہ گذشتہ پچیس سالوں میں آزاد کشمیر کو تعمیر و ترقی کے لئے صرف ۴ کروڑ روپے دیئے گئے تھے جبکہ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے صرف سات سالہ دور میں ۶۰ کروڑ روپے فراہم کئے اس طرح چیئرمین بھٹو نے پہلی مرتبہ آزاد کشمیر کو سیاسی و اقتصادی اعتبار سے مستحکم کیا، آج آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے مسلمان اسی بنیاد پر تیسری دنیا کے عظیم قائد کی رہائی کے لئے مشکلات اور صعوبتوں کا انتہائی خندہ پیشانی سے سامنا کر رہے ہیں، آج کنٹرول لائن کے دونوں طرف حضرت بل، خانقاہ معلی خانیار شریف اور کھڑی شریف کے علاوہ ریاست کے کونے کونے میں پھیلے مزاروں اور مسجدوں میں قائد عوام کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگی جا رہی ہیں یہ چیئرمین بھٹو کی کشمیریوں کے لئے کی گئی خدمات کا بھرپور اعتراف ہے جسکو برطانیہ کے نشریاتی ادارے "بی بی سی" نے بھی تسلیم کیا ہے۔

یہ کہ پاکستان کے مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی نے واضح اکثریت حاصل کی مگر نام نہاد قومی اتحاد نے کسی بیرونی اشارے پر انتخابات کے نتائج تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اسی غیر ملکی شہ پر پاکستان کے اندر آئینی اور قانونی حکومت کے خلاف تحریک شروع کر دی، درخواست دہندہ بھی چونکہ پاکستان پیپلز پارٹی کا ایک رکن تھا اس لئے پاکستان کے اندر چیئرمین بھٹو کی حکومت کے حق میں اور قومی اتحاد کی طرف سے چلائی گئی تحریک کے خلاف موثر کام کرتا رہا اور پھر یہ تحریک غیر ملکی سامراج کے بھرپور تعاون کے باوجود دم توڑ گئی اور قومی اتحاد کے نمائندگان وزیر اعظم جناب بھٹو کے ساتھ مذاکرات کے لئے ایک ٹیبل پر بیٹھ گئے۔

یہ کہ درخواست دہندہ کے لئے سیاہ رات کی تاریکیاں اسوقت شروع ہوئیں جب ۵ جولائی کو اچانک صبح ساڑھے چھ بجے ریڈیو پاکستان سے میرے عظیم قائد اور پاکستان کے آئینی و قانونی وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے حفاظتی حراست میں لئے جانے اور فوج کے اقتدار سنبھال لینے کی خبر نشر کی گئی اس وقت میرے ذہن نے یہ فیصلہ دے دیا کہ وہ عظیم قائد جس کے ساتھ نہ صرف پاکستان بلکہ افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے کروڑوں مفلوک الحال انسانوں کی امیدیں وابستہ ہیں آج ان سامراجی طاقتوں کا شکار ہو گیا ہے جنہوں نے صدہا سال تک کمزور عوام کا خون چوس کر اپنے لئے شبستان تعمیر کئے یہ ایک ایسا المیہ ہے جس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے اس المیہ کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ سامراجی طاقتوں کے گماشتے دو تین ماہ تک اپنے بھرپور وسائل کے ساتھ ملک میں افراتفری اور بے چینی پھیلانے کی کوششوں کے باوجود جو مقاصد غیر ملکی آقاؤں کے بخشے ہوئے ڈالروں کے بے دریغ استعمال سے بھی حاصل نہ کر سکے ان کی تکمیل چند طالع آزمانے کر دی۔

یہ کہ پاکستان میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد پاکستان کی فوجی انتظامیہ کے لئے یہ ہرگز گوارہ نہ تھا کہ آزاد کشمیر میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت قائم رہے، درخواست دہندہ بدستور آزاد کشمیر کا وزیر تھا

اور حکومت کو یہ امید ضرور تھی کہ آزاد کشمیر چونکہ آزادیٔ کشمیر کا "مین کیمپ" ہے، یہاں ایک الگ آئین ہے یہ خطہ حساس قسم کی سیاسی حیثیت کا حامل ہے اس لئے شائد یہاں براہ راست مداخلت نہ ہو چنانچہ درخواست دہندہ نے آزاد کشمیر کا سالانہ بجٹ بحیثیت وزیر خزانہ اسمبلی میں پیش کیا جسے منظور کر لیا گیا، بجٹ کی منظوری کے فوری بعد صدر آزاد کشمیر، وزیر اعظم آزاد کشمیر اور تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کو ۲۷ جولائی ۷۷ ۱۹ء کو پاکستان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے راولپنڈی طلب کیا اور یہ درخواست کی کہ "مخصوص حالات" کے پیش نظر وہ آزاد کشمیر کی حکومت کو توڑنا چاہتے ہیں، اس لئے وہ آئینی راستے کو ترجیح دیتے ہیں، بصورت دیگر آئین کو منسوخ بھی کیا جا سکتا ہے آئین کی منسوخی کے پیش نظر سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کو جس میں پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے صدر بھی شامل تھے ایک دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کر دیا گیا، کہ آزاد کشمیر کی حکومت توڑ دی جائے اور عبوری طور پر ایک چیف ایگزیکٹو کا تقرر عمل میں لایا جائے اور تین ماہ کے اندر اندر دوبارہ انتخابات کروائے جائیں گے، چونکہ آئین میں اس طرح میعاد سے پہلے اسمبلی توڑنے اور عبوری حکومت بنانے کی کوئی دفعہ موجود نہیں تھی چنانچہ عبوری آئین میں دفعہ ۵۳-اے، اسلام آباد سے تیار کر کے دی گئی کہ اس کو آزاد جموں و کشمیر کونسل اور قانون ساز اسمبلی کے مشترکہ اجلاس سے منظور کر کے آئین کا حصہ بنایا جائے۔

درخواست دہندہ چونکہ وزیر قانون اور پارلیمانی امور تھا اس لئے عبوری آئین میں ترمیم درخواست دہندہ کو ہی پیش کرنا تھی، صدر ریاست نے ۱۲ اگست ۷۷ء کو قانون ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا، ۳۱ جولائی ۷۷ء کو درخواست دہندہ وزیر اعظم آزاد کشمیر کے پاس گیا اور ان سے گذارش کی کہ آئین میں یہ ترمیم آزاد کشمیر کے عوام کے لئے "سم قاتل" کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے بے شک پاکستان کی انتظامیہ جو چاہے کرے ہماری حکومت کو یہ ترمیم اسمبلی میں ہرگز پیش نہیں کرنی چاہیئے، اور پھر میں نے وزیر اعظم آزاد کشمیر کو چیئرمین بھٹو کے ان الفاظ کا بھی حوالہ دیا، جو انہوں نے مری میں فوج کی حراست کے دوران آزاد کشمیر کی کابینہ کو کہے تھے، چنانچہ وزیر اعظم آزاد کشمیر نے کابینہ کے دوسرے ارکان سے بھی الگ الگ بات کی مگر وزیر اعظم آزاد کشمیر شاید یہ تاثر رکھتے تھے کہ اگر یہ ترمیم نہ کی گئی تو آزاد کشمیر بھی مارشل لاء کی لپیٹ میں لے لیا جائے گا، اس لئے انہوں نے درخواست دہندہ کی رائے سے اتفاق نہ کیا چنانچہ دوسرے دن یعنی یکم اگست کو وزارت سے اسی بنا پر استعفیٰ دیدیا کہ درخواست دہندہ جمہوری اداروں کے اس قتل میں "بے جان تلوار" کے فرائض انجام دینے سے معذور ہے اور یہ کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو چیئرمین پیپلز پارٹی کے فیصلوں کا انتظار کرے گا، استعفیٰ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی منسلک ہے

یہ کہ درخواست دہندہ کا استعفیٰ اسی دن یعنی یکم اگست ۷۷ء کو منظور کر لیا گیا۔ اسی دن مظفر آباد سرکاری

ہے اس لئے آئین میں ترمیم نہیں ہو سکتی اس پر اسمبلی میں تفصیل سے بحث ہوئی اور بہت سے اراکین نے نے بحث میں حصہ لیا مگر سپیکر صاحب نے رولنگ کے ذریعے نکتۂ اعتراض کو مسترد کر دیا، جب یہ بحث ہو رہی تھی جموں و کشمیر کونسل کے ایڈیشنل سیکریٹری بریگیڈیئر بی اے ملک اور سول و ملٹری انٹیلی جنس کے افسران بھی وزیٹنگ گیلری میں بٹھائے گئے تھے تاکہ ممبران اسمبلی کو دباؤ میں رکھا جا سکے چنانچہ اسپیکر صاحب کی رولنگ کے خلاف احتجاج کے طور پر درخواست دہندہ نے اسمبلی سے واک آؤٹ کر دیا۔ اسمبلی اور کونسل کا اجلاس پھر ۶-۷ اگست کو دوبارہ منعقد ہوا جس میں درخواست دہندہ نے شرکت نہیں کی اور یہ ترمیم اس شرط کے ساتھ اسمبلی نے منظور کی کہ انتخابات تین ماہ کے اندر اندر کروائے جائیں گے، اس کے لئے آئین کی دفعہ اٹھائیس ۲۸ کی ضمنی ۲ کا بھی اضافہ کر کے یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ اسمبلی توڑنے کی صورت میں انتخابات

گرفتاری کے وقت اور اس کے بعد بھی وارنٹ گرفتاری نہیں دکھایا گیا

رہائش گاہ پر درخواست دہندہ نے پریس کانفرنس بلائی اور اپنے استعفیٰ کا متن اور مستعفی ہونے کی وجوہات بیان کیں، یہ خبر دوسرے دن پاکستان اور آزاد کشمیر کے تمام اخباروں نے نمایاں طور پر شائع کی۔

یہ کہ درخواست دہندہ نے غالباً یکم یا ۲ اگست کو عدالت عالیہ میں ایک رٹ پٹیشن دائر کی کہ موجودہ اسمبلی اور کونسل آئینی اعتبار سے نامکمل ہے اسی لئے عبوری آئین میں ترمیم کرنے کی مجاز نہیں، عدالت عالیہ سے یہ بھی درخواست کی گئی تھی کہ کونسل اور اسمبلی کے اس اجلاس کو روکا جائے عدالت عالیہ نے یہ رٹ پٹیشن سماعت کے لئے منظور نہ کی کہ "عدلیہ مقننہ کو اجلاس سے نہیں روک سکتی۔

یہ کہ درخواست دہندہ نے ۴ اگست ۷۷ء کو اسمبلی اور کونسل کے مشترکہ اجلاس میں نکتہ اعتراض (POINT OF ORDER) اٹھایا کہ کونسل نامکمل

اس تاریخ کے تین ماہ کے اندر اندر ہوں گے، اس ترمیم کے بعد ۱۰ اگست ۷۷ء کو آئین کی دفعہ ۵۳-اے کا سہارا لیکر صدر ریاست نے ایک فرمان کے تحت آزاد کشمیر کی منتخب آئینی حکومت، قانون ساز اسمبلی اور آزاد جموں و کشمیر کونسل کو توڑ دیا اور ایک ریٹائرڈ میجر جنرل عبدالرحمٰن کو آزاد کشمیر کا انتظامی سربراہ مقرر کر دیا، جناب صدر ریاست کو ایسا کرنے کا مشورہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق اور انکے ایک جنرل فیض علی چشتی نے دیا تھا۔

یہ کہ آئین کی دفعہ ۲۸ کی ذیلی دفعہ ۲ کے تحت آزاد کشمیر میں عام انتخابات کا اعلان کر دیا گیا کہ ۲۷ اکتوبر کو منعقد ہونگے چنانچہ پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے درخواست دہندہ کو بھی دوبارہ ایل اے ۱۶ پونچھ کا پارٹی ٹکٹ جاری کر دیا گیا، انتخابی مہم اپنے عروج پر تھی کہ بدون کسی جواز کے آزاد کشمیر میں انتخابات

غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دینے کا اعلان کر دیا گیا، یہ انتخابات ملتوی کر دینے کا اعلان نہیں تھا بلکہ فوجی طاقت کے بل بوتے پر آئین کی دھجیاں اڑانے کی چال تھی جس کے خلاف درخواست دہندہ پورے عزم و حوصلے کے ساتھ سینہ سپر ہو گیا، اور پریس اور پبلک پلیٹ فارم کے ذریعے بھرپور انداز میں اس سامراجی سازش کو بے نقاب کرنے کی کوشش شروع کر دی جس کے ذریعہ عالم اسلام کے قلعہ کو سرنگوں کرنے کا ڈرامہ رچایا جا رہا ہے، اسی دوران جب پاکستان کے عوام نے اپنے محبوب قائد کی حمایت میں آواز بلند کی تو ظلم و تشدد اور بربریت کی انتہا کر دی گئی حق و انصاف کا علم بلند کرنے والوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح زنداں میں ٹھونسا جانے لگا، مادر وطن کی حرمت کے لئے صف آرا ہونے والے فرزانوں کے جسموں کو جبر و استبداد کے کوڑوں سے داغا گیا، تاکہ آئین اور قانون کی بالادستی کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی آواز کو دبایا جا سکے۔

یہ کہ اس پس منظر میں درخواست دہندہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قافلۂ جمہور میں اس صدی کے سب سے عظیم انسان جناب ذوالفقار علی کا نام سرفہرست تھا اور اسی فہرست کے کسی کونہ میں درخواست دہندہ جیسے ادنیٰ انسان کا نام بھی موجود تھا۔

مارشل لاء حکومت قائد عوام اور ان کی پارٹی کو ختم کرنے کے لئے اپنے بعض نادان دوستوں کے مشورہ پر پاکستان اور آزاد کشمیر سے بھٹو ازم کا خاتمہ کرنے کی سعی لاحاصل میں مصروف ہیں چونکہ درخواست دہندہ کو یہ اعزاز حاصل ہے ایک ادنیٰ انسان ہونے کے باوجود آزاد کشمیر میں بھٹو ازم کے سب سے بڑے پرچارک کی حیثیت سے معروف ہے اس لئے انہوں نے ریٹائرڈ جنرل عبدالرحمن جو کہ اسوقت آزاد کشمیر کے انتظامی سربراہ تھے ان پر دباؤ ڈال کر آزاد کشمیر کے سابق وزیر اعظم خان عبدالحمید خان اور درخواست دہندہ کی مبینہ بدعنوانیوں کی تحقیقات کے لئے ایک سیشن جج اور لیفٹیننٹ کرنل پر مشتمل کمیشن تشکیل دیدیا، تاکہ اس کمیشن کے ذریعے دباؤ ڈال کر قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کے حق میں اٹھنے والی اس آواز کو بند کر دیا جائے

یہ کہ درخواست دہندہ پر دباؤ ڈالنے اور ہراساں کرنے کے لئے سیشن جج اور لیفٹیننٹ کرنل پر مشتمل کمیشن نے درخواست دہندہ کو ۲۶ جنوری ۷۸ء کو طلب کیا اور ایک مضحکہ خیز قسم کی چارج شیٹ دی درخواست دہندہ نے ۲۸ جنوری کو اس چارج شیٹ کا تحریری جواب دیا جس میں یہ موقف اختیار کیا کہ آزاد کشمیر میں ایک ایک غیر آئینی حکومت قائم ہے نوّے دن کی میعاد گزرنے کے بعد اس کی اپنی پوزیشن ختم ہو چکی ہے، مزید براں یہ کہ احتساب کے نام پر صرف پیپلز پارٹی کے پرجوش اور مخلص کارکنوں کو زیر عتاب لا کر فوجی جنتا اپنی حکمرانی کی میعاد بڑھانا چاہتی ہے اس

> **صبح تھانہ سے نکال کر**
> **کئی سڑکوں پر گھماتے ہوئے**
> **جیل پہنچا دیا گیا**

لئے درخواست دہندہ نے اس غیر آئینی حکومت کے قائم کردہ غیر قانونی کمیشن سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا صرف ریکارڈ کی درستی کے لئے الزامات کا جواب بھی دیا، ۲۸ جنوری ۷۸ء کو ہی درخواست دہندہ نے الگ پریس کانفرنس میں چارج شیٹ اور اس کا تحریری جواب پریس کو دیدیا اس موقع پر یہ بھی کہا کہ آزاد کشمیر میں ریٹائرڈ جنرل عبدالرحمان کی بحیثیت چیف ایگزیکٹو کی سبکدوشی کے بعد ایک حاضر سروس بریگیڈیر کو آزاد کشمیر کا انتظامی سربراہ مقرر کر کے آزاد کشمیر کے آئین کو بری طرح مجروح کیا گیا اور تحریک آزادی کشمیر کے اس "بیس کیمپ" کو بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں تبدیل کر دیا گیا، پاکستان کی مارشل لاء انتظامیہ نے آزاد کشمیر کے آئین کو "طاق نسیاں" میں رکھ کر اور ایک بریگیڈیر محمد حیات خان نامی کو چیف ایگزیکٹو تعینات کر کے یہاں عملاً مارشل لاء کا نفاذ کر دیا ہے اور اس طرح نہ صرف جو حقوق آزاد کشمیر کے عوام نے طویل جدوجہد کے بعد حاصل کئے تھے ان کو بیک جنبش قلم ختم کر دیا گیا ہے، بلکہ تیس سال سے بین الاقوامی فورم پر ریاست جموں و کشمیر کے بارے میں جو موقف اختیار کیا گیا تھا اسکی بھی نفی کر دی گئی ہے اس طرح تحریک آزادی کشمیر کی بنیادی روح کو پامال کیا گیا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اسے ضرب شدید لگائی گئی تو بے جا نہ ہوگا، یہ تحریک آزادیٔ کشمیر کو ختم کرنے کی طرف مارشل لاء کا پہلا موثر قدم ہے جس کو آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے مسلمان کسی بھی صورت میں قبول نہیں کر سکتے، درخواست دہندہ کمیشن کی طرف سے دی گئی چارج شیٹ اور اسکی نقل بھی شامل کر رہا ہے کیونکہ اس اقدام سے موجودہ انتظامیہ برانگیختہ ہو گئی ہے اور اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے درخواست دہندہ کو راستے سے ہٹانے کا تہیہ کر بیٹھی ہے۔

یہ کہ پاکستان پیپلز پارٹی کو آزاد کشمیر سے ختم کرنے کے لئے اور اس کے صف اول کے رہنماؤں کی سرگرمیاں روکنے کے لئے عبوری آئین ۱۹۷۴ء سے متصادم "عوامی نمائندوں کی نااہلی کا آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۸ء" نافذ کیا اور اس کے ساتھ ہی انتظامی سربراہ نے ایک پریس کانفرنس میں پاکستان پیپلز پارٹی کے دس رہنماؤں پر بدعنوانی کے الزامات عائد کر کے ان کے معاملات خصوصی ٹریبونل میں بھیجنے کا اعلان بھی کیا اور یہ بھی کہا کہ اس آرڈیننس کی روشنی میں یہ سیاستدان ٹریبونل سے فیصلہ تک سیاست میں حصہ نہ لے سکیں گے، ان دس سیاست دانوں میں درخواست دہندہ کا نام بھی شامل ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ درخواست دہندہ کے خلاف قائم کئے گئے مخصوصی کمیشن نے کوئی رپورٹ نہیں دی تھی، نامعلوم انتظامی سربراہ نے کس بنیاد پر سیاست دانوں کے خلاف معاملات ٹریبونل کے سپرد کئے درخواست دہندہ کو اب یہ احساس ہوا ہے کہ چونکہ قائد عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو کو سزا دیئے جانے کا فیصلہ کیا گیا تھا اس کے رد عمل کو آزاد کشمیر میں روکنے کے لئے قبل از وقت ہی درخواست دہندہ اور دیگر

سیاستدانوں کی زباں بندی کیلئے غیر آئینی قدم اٹھاتے ہوئے آرڈی ننس کا نفاذ

سیاستدانوں کی زبان بندی کرنے کے لئے یہ غیر آئینی قدم اٹھاتے ہوئے آرڈی ننس نافذ کیا گیا اور کشمیر میں کنٹرول لائن کے دونوں طرف جناب بھٹو کی رہائی کے لئے ہمہ گیر مظاہرے شروع ہو گئے اور آزاد کشمیر میں (STATE FORCE) اور (STREET FOPCE) کے درمیان براہ راست تصادم ہونے لگا، آزاد کشمیر کی انتظامیہ کی طرف سے درخواست دہندہ کو سیاست میں حصہ نہ لینے کا کوئی باقاعدہ نوٹس موصول نہیں ہوا۔

یہ کہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۸ء کو قائد عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو کی رہائی کے لئے ایک مظاہرے کے بعد درخواست دہندہ کو تقریباً ۲ بجے چوک شہیداں سے پولیس تھانہ میرپور نے تھانہ میں مقید کر دیا، گرفتاری کے وقت اور اس کے بعد بھی دریافت کرنے پر نہ تو وارنٹ گرفتاری دکھایا گیا اور نہ ہی گرفتاری کی کوئی وجہ بیان کی گئی۔

یہ کہ ۲۶ مارچ صبح دس بجے تھانہ سے نکال کر گمنام سڑکوں پر گھماتے ہوئے میرپور ڈسٹرکٹ جیل پہنچا دیا گیا اور کسی بھی مجسٹریٹ کے سامنے پیش نہیں کیا گیا البتہ جیل میں درخواست دہندہ کو بتایا گیا کہ عوامی نمائندوں کی نااہلی کے آرڈی ننس مجریہ ۱۹۷۸ء کی کسی دفعہ کی آڑ لیکر گرفتار کر کے محبوس کیا گیا ہے۔

یہ کہ جیل میں لا کر ایسے کمرے میں بند کر دیا گیا جس میں پہلے ہی سات افراد موجود تھے کمرے کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ مکھیوں اور مچھروں کی سہولت کے لئے یہ کمرہ چاروں طرف سے کھلا رکھا گیا ہے جس میں کھڑکیوں اور دروازوں کی بجائے لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں اور زمین پر لگے ہوئے قطار اندر قطار پھٹے پرانے بوسیدہ کمبلوں کے بستر لگے ہیں، یہ کمرہ جو پہلے ہی تنگیٔ داماں کا ماتم کر رہا ہے اس کے ایک کونے میں بلیک ہول قسم کا بیت الخلاء ہے، جس کی موجودگی میں اکل و شرب کا تصور بھی ناممکن نظر آتا ہے اس کمرے میں پہلے سے موجود مکین چوری، ڈاکے یا قتل کیس میں ماخوذ نہیں بلکہ پاکستان کی سلامتی و استحکام کے لئے فخر ایشیا جناب ذوالفقار علی بھٹو کی ذات پر یقین رکھنے والے باعزت شہری ہیں جنہیں "جیوے بھٹو" کہنے کے الزام میں نذر زنداں کیا گیا ہے، ان میں سابق وزیر اعظم کے آزاد کشمیر کے پریس سیکریٹری مسٹر جاوید نظامی۔ پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے سابق سیکریٹری جنرل کرنل ریٹائرڈ محمد یوسف، پیپلز پارٹی تحصیل میرپور کے صدر اور قابلِ قدر رہنما صوفی عبدالرحمٰن، پیپلز پارٹی میرپور سٹی کے سینئر نائب صدر میر عبدالرحمن، سیکریٹری میر خالد بشیر کے علاوہ غربی سٹی کے سکریٹری محمد صادق کھوکھر شامل ہیں، مظہر کے ساتھ آنے والے طالب علم رہنما مرزا آفتاب احمد اور بعد میں لائے جانے والے پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے سینئر نائب صدر مرزا کرنل منیر حسین کو بھی اسی کمرے کی وسعتوں میں ڈال دیا گیا، مظہر کو گذشتہ ایام سے اس کمرے کا جو تجربہ ہوا ہے کہ اس کمرے کی تعمیر کے وقت محبوس انسانوں کی بجائے حشرات الارض کو سہولت پہنچانے کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھا گیا ہے، دن ہو کہ رات رینگنے والے اور اڑنے والے ہر دو طرح کے حشرات الارض بلا روک ٹوک اسیران کی خاطر تواضع کے لئے تشریف لاتے رہتے ہیں ان میں مکھی مچھر کے ساتھ ساتھ پرندے چوہے اور بچھو بھی شامل ہیں، رات بھر تیز بلب کی روشنی میں سونے پر مجبور کیا جاتا ہے کیونکہ بلب کا کنٹرول آہنی سلاخوں سے باہر ہوتا ہے اور وہاں تک پہنچنا نہ تو مظہر اور نہ ہی اس کے ساتھیوں کے بس کی بات ہے یہ غیر انسانی سلوک ان محبان وطن کے ساتھ کیا جا رہا ہے، جنہوں نے ملک میں آئین کی بالادستی اور جمہوریت کی بحالی کے لئے کشمیریوں کے محسن جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سلامتی کے لئے نعرۂ حق بلند کیا تھا، جبکہ اسی جیل میں صاف ستھرے اعلیٰ کمروں میں ان افراد کو بی کلاس دیکر رکھا گیا ہے جو اخلاقی جرائم میں ماخوذ ہو کر محبوس ہوئے ہیں۔

یہ کہ مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۷۸ء کو بوقت ۱/۲ ۲ بجے دن درخواست دہندہ کو بحراست سردار مشتاق صاحب اے ڈی ایم میرپور کی رہائش گاہ واقع میرپور لے جایا گیا انہوں نے درخواست دہندہ سے دریافت کئے بغیر اور یہ ظاہر کئے بغیر کہ کیوں گرفتار کیا گیا ہے ایک فائل پر کچھ لکھا اور پولیس کو دیدیا، مجسٹریٹ صاحب نے نہ تو کسی ضمنی کا ملاحظہ کیا اور نہ ہی کچھ دریافت کیا البتہ درخواست دہندہ نے مجسٹریٹ صاحب سے اس بات پر اصرار کیا کہ وکلاء کی موجودگی، کمرہ عدالت میں سماعت ہونی چاہیئے مگر صاحب موصوف نے کسی بات کا نوٹس نہ لیا اور پولیس دوبارہ درخواست دہندہ کو ان ہی گمنام راستوں پر گھماتے ہوئے واپس جیل پہنچا گئی جہاں بدستور اسی تنگ و تاریک کمرہ میں دیگر آٹھ اسیروں کے ساتھ رہ رہا ہے۔

یہ کہ قبل ازیں عدالت العالیہ میں رٹ پٹیشن دائر کر رکھی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ درخواست دہندہ کو خلاف قانون محبوس کیا گیا ہے اور جس قانون کی آڑ لیکر گرفتار کیا گیا ہے خلافِ انصاف اور بنیادی حقوق ہے اور بدنیتی پر مبنی ہے۔

درخواست دہندہ بحلف بیان کرتا ہے کہ محض سیاسی وجوہ جس کا تذکرہ درخواست دہندہ نے کیا ہے کی بناء پر حبس بے جا میں رکھا گیا ہے جس سے نہ صرف انصاف کے تقاضے مجروح ہو رہے ہیں بلکہ بنیادی حقوق بھی پائمال کئے گئے ہیں،

درخواست دہندہ حلفاً بیان کرتا ہے کہ بیان حلفی ہذا میرے بہترین علم و یقین کے مطابق حرف بحرف درست ہے اور اس میں کوئی امر پوشیدہ نہیں رکھا گیا۔ درخواست دہندہ خود عدالت العالیہ میں ان امور مندرجہ صدر کی تائید میں بیان دینے کے لئے پیش ہونے کو تیار ہے۔ تحریر

۱۵ اپریل ۷۸ء

راجہ ممتاز حسین راٹھور، ولد راجہ محمد عنایت اللہ خان قوم راٹھور راجپوت حال محبوس ڈسٹرکٹ جیل میرپور۔

OO

ہٹلر کے افکار کی تشہیر کرنیوالے کیا فاشزم کی راہ ہموار کر رہے ہیں

مجاہد بریلوی

اب یہ زمانہ آگیا ہے کہ ہمارے ملک میں ہٹلر کی سالگرہ بھی منائی جانے لگی ہے - ۱۹ اپریل ۱۹۷۸ء کے روزنامہ "جنگ" ڈیلی نیوز" نے اس موقع پر کسی ایچ ایم عباسی صاحب کا مضمون شائع کیا ہے - جس میں ہٹلر کے نظریات کے فکری اور عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے - کوئی دن کی بات اور ہے جب ایچ ایم عباسی صاحب جیسے اصحاب چنگیز اور ہلاکو خان کا جنم دن بھی اسی شان و شوکت سے منایا کریں گے تاہم یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس "معرکتہ الآرا" مضمون کے مصنف اور ان کے افکار کی تشہیر کرنے والے اخبارات وجرائد "اسلام پسندی اور جمہوریت پسندی" کے کس اصول کے تحت نازی ازم کے آج رطب اللسان ہو گئے ہیں اور فوری طور پر وہ پاکستان میں اس قسم کے مضامین سے کس کی خدمت میں مصروف ہیں -

ایچ ایم عباسی صاحب رقمطراز ہیں -

۱ - ہٹلر کا شمار دنیا کے ان عظیم رہنماؤں میں ہوتا ہے جو دنیا والوں سے اپنی طاقت کا لوہا منوا چکے ہیں -

۲ - عظیم جرمن قوم کے بارے میں اس کے اپنے مخصوص نظریات تھے -

۳ - میری جدوجہد" اس کی معرکتہ الآرا تصنیف ہے -

۴ - یہودیوں کا پروپیگنڈہ ہے کہ ہٹلر نے زہریلی گیس کے ذریعہ ۶۰ لاکھ یہودیوں کو قتل کروایا اگر واقعتاً اس نے اتنی بڑی تعداد میں یہودیوں کا قتل نہ کیا ہوتا جس کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے تو اسرائیل اب تک مشرق وسطیٰ کے بیشتر حصّہ کو اپنے زیرنگیں بنا چکا ہوتا -

۵ - اگر جرمنی، برطانیہ کو دوسری جنگ عظیم کے دوران اس حد تک کھوکھلا نہ کر چکا ہوتا تو شاید پاکستان بھارت اور دوسری سابقہ برطانوی نوآبادیات اب تک آزاد نہیں ہوئی ہوتیں - یہی وجہ ہے کہ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ہم جیسے لوگ فیوہرر کا تذکرہ شکرگزاری اور احسان مندی کے جذبات کے تحت کرتے ہیں اور خاص طور پر ان کے بارے میں اپنے دل میں خیرسگالی کے جذبات موجزن پاتے ہیں "

پاکستان کی تاریخ ہی میں نہیں ہٹلر کے خاتمے کے بعد دنیا کے کسی پریس میں ایسے کسی مضمون کی مثال نہیں ملتی جس میں اتنی دیدہ دلیری اور ڈھٹائی سے ہٹلر جیسے فاشسٹ حکمراں کو معصوم اور مظلوم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہو -

مذکورہ مضمون میں پیش کئے جانے والے ان نکات سے واضح ہو جاتا ہے کہ یا تو صاحب مضمون تاریخ سے ناواقف ہے یا ہٹلر کے نظریات کے لئے

ہٹلر کی گسٹاپو کے ہاتھوں لاکھوں جمہوریت پسندوں کا قتل عام ہوا تھا

اپنے دل میں خیر سگالی کے جذبات "اس حد تک موجزن پاتا ہے کہ تاریخ کو مسخ کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا ظاہر ہے کہ جس فرد نے کروڑوں افراد کو قتل کروایا۔ وہ ان کا ہیرو ہے لہذا اگر وہ "مذموم مقاصد" کی خاطر تاریخ کو قتل کرنے کا فرض انجام دیں تو اس میں حیرت نہیں ہونی چاہیئے ۔

تاریخ کے طالب علم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ہٹلر کی ساری دنیا کو نازی ازم کے زیر نگیں لانے کی خواہش میں صرف ۶۰ لاکھ یہودیوں کا قتل ہی نہیں ہوا بلکہ ہٹلر کے فاشزم کے خلاف مزاحمتی جنگ میں ساری دنیا کے جمہوریت پسندوں اور آزادی سے محبت کرنے والوں نے اپنے خون کا نذرانہ پیش کیا صرف سوویت یونین کے دو کروڑ باشندے اس جنگ میں کام آئے۔ چین کے ۲۵ لاکھ، پولینڈ کے ۶۰ لاکھ، فرانس کے ڈھائی لاکھ، جاپان کے ۲۰ لاکھ، اٹلی کے ۴ لاکھ، یونان کے ایک لاکھ، امریکہ کے ساڑھے تین لاکھ، رومانیہ کے تین لاکھ، برطانیہ کے ڈھائی لاکھ، آسٹریا کے پونے تین لاکھ، ہنگری کے ڈیڑھ لاکھ، یوگوسلاویہ کے تین لاکھ، چیکوسلاویہ کے ۴۶ ہزار اور خود برصغیر پاک و ہند کے ۳۷ ہزار افراد کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک کے لاکھوں جمہوریت پسند نازی بربریت کا نشانہ بنے، ہٹلر کی فوجوں اور اس کی گسٹاپو کے ہاتھوں بے شمار دانشور، ادیب، فن کار، صحافی اساتذہ اور طالب علم تشدد کا نشانہ بن کر ہلاک ہوئے

ایچ ایم عباسی صاحب نے ہٹلر کی اپنی قوم اور دنیا کی دیگر اقوام کے بارے میں جن "مخصوص نظریات" کا تذکرہ کیا ہے اور جن سے وہ بہت متاثر ہیں تاریخ کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔ ہٹلر کی تصنیف "میری جدوجہد" (MEIN - KAMF) جسے ایچ ایم عباسی صاحب نے ایک معرکتہ الآرا تصنیف قرار دیا ہے۔ ہٹلر کے عزائم کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔

اپنی تصنیف کے ایک باب میں ہٹلر لکھتا ہے "اگر قوموں کے پاس ویسا ہی خون ہے ۔ جو ہمارے نمونے کا ہے تو ہم لے لیں گے ۔ اگر ضرورت پیش آئی تو ان کے بچوں کو اغوا کر لیں گے اور اپنے ہاں لا کر تربیت دیں گے باقی رہا قوموں کا خوش حال ہونا یا جانوروں کی طرح بھوکوں مرنا مجھے صرف اس سے اس حد تک دلچسپی ہے کہ ہمیں ان سے غلاموں کا کام لینا منظور ہے ورنہ حقیقت میں مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے ایک اور جگہ دوسری اقوام کے عوام کے بارے میں ہٹلر اپنے نظریات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"اہل پولینڈ گھٹیا درجے کی مزدوری کے لئے بطور خاص پیدا کئے گئے ہیں ان کے لئے اصلاح کا کوئی طول ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پولینڈ میں معیار زندگی نیچا ہی رہنا چاہیئے اور اسے بلند کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے اہل پولینڈ سست ہیں ضروری ہے کہ ان سے جبراً کام لیا جائے"۔

"اگر دس ہزار روسی عورتیں ٹینکوں کو روکنے کے لئے خندقیں کھودتی ہوئی مر جائیں تو مجھے صرف اس حد تک دلچسپی ہے آیا جرمنی کے بچاؤ کے لئے ٹینکوں کو روکنے والی خندقیں کھودی گئیں"۔

جہاں تک ایچ ایم عباسی کا یہ فرمانا ہے کہ پاکستان ہندوستان اور برطانیہ کی دیگر مقبوضات آزادی سے اس لئے ہمکنار ہوئیں کہ ہٹلر نے برطانیہ کو کمزور کر دیا تھا تو اب تک تو ہم نے یہی پڑھا اور سنا ہے کہ برصغیر کے عوام نے آزادی کی نعمت اپنی طویل جدوجہد اور قربانیوں سے حاصل کی ہے اور اس کے لئے حسرت موہانی سے لیکر قائد اعظم تک بے شمار مجاہدوں نے بیش بہا قربانیاں دیں یہ اور بات ہے کہ اس وقت بھی ایچ ایم عباسی صاحب اور ان کے افکار و خیالات کو مشتہر کرنے والے پاکستان کے مخالف کیمپوں میں تھے اس لئے آزادی کی جدوجہد سے ان کی ناواقفیت سمجھ میں آتی ہے مگر ایچ ایم عباسی صاحب نے اپنے مضمون میں جہاں یہ لکھا ہے کہ کمیونزم، سوشلزم اور بالشویک روس بھی یہودیوں کی پیداوار ہے اس لئے کہ کارل مارکس بھی یہودی تھا تو اس پر تبصرہ کرنا مذاق معلوم دیتا ہے ایچ ایم عباسی صاحب کا یہی لکھنا ان کے اصل عزائم کا اظہار بھی کرتا ہے اور یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہمارے ان قومی اخبارات و جرائد اور ان کے سرخیلوں کی "اسلام پسندی" دراصل ہٹلر کے نظریات ہی سے مستعار لی گئی ہے ۔

آخر میں یہ سوال کرنا بے محل نہ ہوگا کہ ایک ایسے وقت میں جب کہ پاکستان ایک سنگین سیاسی بحران سے گزر رہا ہے ملک میں مارشل لا ہے ابلاغ عامہ کے اداروں پر دائیں بازو کی نظریات کی چھاپ ہے ہٹلر کے افکار کی تشہیر اور اسے ہیرو بنانے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے کیا اس طرح ایچ ایم عباسی صاحب اور ان کے افکار کو تشہیر کرنے والے پاکستان میں فاشزم کی اس طرح راہ ہموار کریں گے کیا یہ محض کسی ایچ ایم عباسی نامی شخص کی ذاتی کوشش ہے یا کسی تنظیم کی طرف سے ایسا کیا جا رہا ہے "جنگ" جیسے اخبار میں اس کا شائع ہونا اور پھر "ڈیلی نیوز" میں اس کا انگریزی ترجمہ چھپنا کسی ایک باقاعدہ مہم کی نشاندہی کرتا ہے ۔

۵۵

ہٹلر کے لیے خیر سگالی

کے جذبات کے پیچھے

کیا مقاصد کار فرما ہیں

پشتونستان کا مسئلہ

۱۹۵۰ء میں پہلے پاکستانی وزیر اعظم کی ایک تاریخی تقریر

پشتونستان

کو بھٹو کی اختراع کہنے والوں کے لئے ایک

نام نہاد آزاد پختونستان، افغانستان کے چند افراد کے تصور کی پیداوار

آج کل پشتونستان کے مفکر خان عبدالغفار خان۔ کابل میں ہیں پشتونستان کے رہنما ولی خان امریکہ میں ہیں۔ اور پشتونستان کے سرپرست اور افغانستان کے سابق صدر و وزیر اعظم سردار داؤد۔ بائیں بازو کے انقلابی فوجیوں کے عوامی انقلاب کا نشانہ بن چکے ہیں جب خان عبدالغفار خاں کو حب الوطنی اور مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا جارہا تھا اور ولی خان کو ضمانت پر رہا کرنے کی کوشش ہورہی تھی اس وقت یہ تاثر بھی دیا گیا کہ پشتونستان کا کھڑاگ مسٹر بھٹو کے دور میں کھڑا کیا گیا خود خان عبدالولی خان نے بھی کہا کہ ہم نے کبھی پشتونستان کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ یہ تو بھٹو صاحب نے ہم سے انتقام لینے کے لئے کیا تھا۔

سرکاری ذرائع ابلاغ نے بھی اس تاثر کو خوب ہوا دی تھی۔ حالانکہ جاننے والے جانتے تھے کہ یہ مسئلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا خود پاکستان خان عبدالغفار خاں نے پاکستان کے قیام کی حمایت نہیں کی تھی اور انہوں نے ابتدا سے ہی پٹھانوں کے الگ وطن کی جدوجہد کی تھی۔ خان غفار خان اور ان کے ہم خیال افراد کی وجہ سے ہی افغانستان کو بھی مسلسل یہ موقع ملتا رہا کہ وہ پاکستان کی مخالفت جاری رکھے ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ میں رکنیت کے سلسلے میں بھی رکاوٹ صرف افغانستان نے ڈالی بعد میں بھی ہمیشہ یہی رویہ اختیار کئے رکھا۔ حالیہ انقلاب کی نذر ہونے والے سردار داؤد افغانستان میں پاکستان دشمنی کے سرخیل تھے۔ انہوں نے جب ظاہر شاہ کا تختہ الٹا اور جمہوریہ افغانستان کے پہلے صدر بنے تو انہوں نے اپنی پہلی نشری تقریر میں ساری دنیا سے اپنے اچھے تعلقات بتائے تھے۔ سوائے پاکستان کے جس سے ان کا سیاسی اختلاف تھا۔ یہ سیاسی اختلاف بلوچوں اور پٹھانوں کے حقوق پر تھا۔

اب افغانستان میں نئے انقلاب کے بعد قائم ہونے والی حکومت کا اس سلسلے میں کیا رویہ ہوتا ہے یہ بعد میں معلوم ہوگا۔ کیونکہ ابھی تو یہ حکومت داخلی محاذ پر مصروف ہے۔

ہم ایک انتہائی اہم دستاویز شائع کر رہے ہیں جو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم شہید ملت جناب لیاقت علی خاں کی ایک تقریر پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے ۹ جنوری ۱۹۵۰ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں کی تھی۔ یہ تقریر جہاں اس زمانے کے پاک افغان تعلقات کی عکاسی کرتی ہے۔ وہاں پاکستان میں پشتونستان کے حامیوں کی ابتدا سے ہی پاکستان دشمنی بھی ظاہر کرتی ہے۔ وہاں ہمارے سرکاری ذرائع ابلاغ موجودہ حکومت اور شاہ کے مصاحبوں پر بھی یہ حقیقت واضح کرتی ہے کہ محض کسی شخصیت دشمنی میں تاریخ کو جھٹلانے کی کوششیں تاریخ کے اوراق کو تبدیل نہیں کرسکتیں حالات واقعات جب تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں تو وہ حرف سچائی کی شہادت دیتے ہیں ان میں جانبداری یا منافقت کا شائبہ نہیں ہوتا

تقریر کے انگریزی اور اردو دونوں متن دونوں دیئے جارہے ہیں یہ تقریر اس وقت حکومت پاکستان نے خود ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کی تھی۔

۹ جنوری ۱۹۵۰ء کو اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان جناب لیاقت علی خاں نے مجلس دستور ساز میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

نام نہاد آزاد پختونستان کا مبینہ مطالبہ قطعی طور پر افغانستان کے چند افراد کے تصور کی پیداوار ہے۔ صوبہ سرحد اور ڈیورنڈ لائن کے پاکستانی علاقے کے قبائلی عوام نہ صرف اچھے پاکستانی ہی ہیں بلکہ بجا طور پر نازاں ہیں کہ انہوں نے بھی پاکستان کی جدوجہد میں برصغیر پاک و ہند کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ ہمیشہ پاکستان کے جان نثار رہے حالانکہ مفاد پرست جماعتوں کی طرف سے پیہم پروپیگنڈا اور سازش ہوتی رہی کہ انہیں ان کی وفاداری سے برگشتہ کر دیا جائے۔ یاد رہے کہ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے پہلے یہ فیصلہ کرنے کے لئے ایک رائے شماری کرائی گئی کہ آیا صوبہ سرحد کے لوگ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں یا بھارت کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں۔

اس حقیقت کے باوجود کہ اس وقت کانگریسی وزارت برسر اقتدار تھی، صوبہ سرحد کے عوام نے پاکستان کے حق میں بھاری اکثریت سے ووٹ دے کر قطعی طور پر یہ ظاہر کر دیا کہ ان کی وفاداری کس کے ساتھ ہے۔ اس سے پہلے بھی قبائلی عوام پاکستان کے حق میں اپنی ہمدردیاں غیر مبہم طور پر ظاہر کر چکے تھے۔ اسی وقت سے وہ حکومت پاکستان کے ساتھ معاہدے کر چکے ہیں جن کے ذریعہ ان کا علاقہ پاکستان کا جزو لاینفک بن گیا ہے یہ بھی یاد رہے کہ قبائلیوں نے جس جوش و خروش کے ساتھ پاکستان کی پذیرائی کی اس کے پیش نظر حکومت اس قابل ہوئی کہ قبائلی علاقے سے وہ مستحکم مسلح افواج واپس بلا لے جو برطانوی دور میں وہاں ہمیشہ رکھی جاتی تھی۔ ان حالات میں افغان سفیر کے اس بیان کو قبائلی پٹھان پاکستان کے نام نہاد مظالم سے رہائی حاصل کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اگر صریحاً مفسدانہ نہیں تو مضحکہ خیز ہی کہا جا سکتا ہے۔

وزیر اعظم نے سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا تیراہ اور شنوار خیبر میں نام نہاد قومی اسمبلی کی تشکیل کی کہانی، جس کا حوالہ افغان سفیر نے دیا ہے، محض کابل ریڈیو کا ایک اختراع ہے؛ یہ نام نہاد قومی اسمبلی، انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

PUSHTOONISTAN A MYTH

Prime Minister's Statement in the Constituent Assembly on January 9, 1950.

Replying to a question in the Constituent Assembly on January 9, 1950, the Hon'ble Mr. Liaquat Ali Khan, Prime Minister of Pakistan said :—

"The alleged demand for the so-called 'free Pushtoonistan' is entirely a figment of imagination of certain individuals in Afghanistan. The people of N.W.F.P. and of the tribal territory on the Pakistan side of the Durand Line are not only good Pakistanis but are also rightly proud of the notable part played by them in the struggle for Pakistan along with the other Muslims of Indo-Pakistan sub-continent. They have throughout remained devoted to Pakistan in spite of the most persistent propaganda and intrigue of interested parties to wean them away from their loyalty. It will be recalled that before the partition of Indo-Pakistan sub-continent a referendum was held to decide whether the people of N.W.F.P. wished to remain with Pakistan or align themselves with India.

"In spite of the fact that at the time there was a Congress Ministry in power, the overwhelming vote of the people of N.W.F.P. in favour of Pakistan showed in no uncertain manner where the loyalty of people lay. Even before that the tribesmen had shown their pro-Pakistan sympathies in unmistakable terms. Since then they have entered into agreements with the Government of Pakistan by virtue of which their territory has become an integral part of Pakistan. It will also be recalled that in view of the enthusiastic reception of Pakistan by the tribesmen, the Government were able to withdraw from the tribal territory the strong armed forces, which had been stationed in this area throughout the British regime. Under the circumstances the statement by the Afghan Ambassador, to the effect that the tribal Pathans were fighting for freedom from the so-called "oppression" of Pakistan, could only have been amusing if it had not been so patently mischievous."

Continuing the Prime Minister said, "The story of the formation of the so-called national assembly in Tirah and Shinwar Khyber, to which the Afghan Ambassador had referred, was a pure invention by the Kabul Radio." "This so-called national assembly," he went on to say, "had not been formed by the people of the areas concerned, but had been set up on paper in Kabul."

Proceeding further he said :—

"The alleged members of these assemblies have no influence or status in our tribal territory and a few of these persons, on their return from Kabul have been arrested by the local tribes and have been handed over to the political authorities as traitors to the people and the Government of Pakistan."

Referring to the Afghan Ambassador's statement about the mass-killings in Charsadda and the firing on the people in many parts on the N.W.F. Province by Pakistani troops, the Prime Minister pointed out that the statement was grossly exaggerated and quite unconnected with realism. He said that the same applied to the stories about the detention of the so-called 'popular leaders.' Continuing he said that barring a few people like Abdul Ghaffar Khan, who had been carrying on anti-State activities, no person had been detained for support to the so-called 'Pushtoonistan.' He characterized the story of the economic blockade of the Tribal areas as pure fabrication.

متعلقہ علاقوں کے عوام نے تشکیل نہیں دی ہے بلکہ اسے کابل میں کاغذ پر قائم کیا گیا ہے۔

انہوں نے کہا:

ان اسمبلیوں کے مبینہ ارکان کا ہمارے قبائلی علاقوں میں کوئی اثر یا حیثیت نہیں اور ان میں سے چند اشخاص جب کابل سے واپس آئے تو مقامی قبیلوں نے انہیں عوام اور حکومت پاکستان کا غدار قرار دے کر گرفتار کر لیا اور سیاسی حکام کے حوالے کر دیا۔

افغان سفیر کے اس بیان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ چارسدہ میں قتل عام ہوا ہے اور پاکستانی افواج نے صوبہ سرحد کے متعدد علاقوں میں عوام پر گولیاں چلائی ہیں، وزیر اعظم نے کہا کہ یہ بیان بے حد مبالغہ آمیز ہے اور حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ انہوں نے کہا کہ یہی بات نام نہاد عوامی لیڈروں کی نظر بندی کی کہانیوں پر بھی صادق آتی ہے انہوں نے مزید کہا کہ عبدالغفار خان جیسے چند لوگوں کو چھوڑ کر جو مملکت کے خلاف سرگرمیوں میں معروف ہیں، کسی کو بھی نام نہاد پختونستان کی حمایت کی بنا پر گرفتار نہیں کیا گیا ہے۔ انہوں نے قبائلی علاقوں کی اقتصادی ناکہ بندی کی کہانی کو قطعی من گھڑت قرار دیا۔

ڈاکٹر عمر حیات ملک کے توجہ دلانے پر کہ افغان سفیر کے بیان پر سارے پاکستان بالخصوص شمالی مغربی سرحدی صوبے اور قبائلی علاقوں میں ناراضگی پھیل گئی ہے وزیر اعظم نے کہا کہ یہ ناراضگی تلخ اور بہت زیادہ ہے، اس سلسلے میں انہوں نے صوبہ سرحد کی قانون ساز اسمبلی کی حالیہ کاروائی کا ذکر کیا جس میں شاہی افغان حکومت کی طرف سے ہونے والی سرگرمیوں اور پروپیگنڈوں کی متفقہ اور غیر مبہم طور پر مذمت کی گئی تھی۔

ایک اور سوال کے جواب میں جو اسی ممبر نے جھوٹے اور مفسدانہ افغان پروپیگنڈوں کے خلاف حکومت پاکستان کے جوابی اقدامات سے متعلق پوچھا تھا وزیر اعظم نے کہا۔

مجھے اس کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ افغان حکومت کے ایجنٹوں نے جو مسلسل مفسدانہ پروپیگنڈے اور سازشیں چلا رکھی ہیں ان کے خلاف جوابی کاروائی

---

only infer that the Government of Afghanistan are not so much concerned with the moral and material welfare of the people of the border areas as with securing for themselves political advantage in their own country, or diverting the attention of their own people for the political and economic deterioration in Afghanistan.

The Government of Pakistan have naturally given the most anxious consideration to the question of their relations with Afghanistan and in particular the mischief that the persistent Afghan propaganda is likely to cause. They have endeavoured to impress upon the Government of Afghanistan with all sincerity the dangers inherent in their rash policy. They have drawn attention to the feeling of rising anger and resentment in the tribal area in consequence of the persistent lies that are being told about the tribesmen and the Government of Pakistan. They have further offered—and the offer is still open—to negotiate with Afghanistan a basis of relations of enduring friendship. They have done all this and have shown great restraint in the face of highly provocative statements and activities. While the Government of Pakistan are willing to establish friendly relations with the Royal Government of Afghanistan, they cannot be expected for ever to continue pleading for friendship. While they have not given up hopes that sanity will dawn on the Rulers of Afghanistan they must reiterate in clear and unambiguous language that not one inch of our land will be surrendered to any body, come what may. We have no territorial ambitions, we desire peace, but not at the sacrifice of honour or a portion of our fatherland."

Pakistan and Afghanistan have for each other in view of their natural kinship and affinity. The Government of Pakistan have from time to time, endeavoured to find out exactly why the Afghan Government have adopted such an unreasonable attitude. I regret to say that we have still not been able to discover what precisely the Government of Afghanistan want and why. At first they requested that the name of the North West Frontier Province and certain areas in Baluchistan may be changed to Pushtoonistan, so that the racial identity of the inhabitants of the Province may not remain in doubt. Then they began to demand that the tribal area on this side of the international boundary known as the Durand line, should be declared a sovereign state under the name of Pushtoonistan and that North West Frontier Province and Baluchistan should be incorporated in it. The attention of the Afghan Government has been repeatedly drawn without any result, to the provisions of the solemn treaties and engagements voluntarily entered into by themselves to refrain from interfering in any manner in the affairs of the people living to the East of the Durand Line. In the face of this utter disregard of international and rational considerations the Government of Pakistan have found themselves seriously handicapped in coming to an amicable settlement which they have earnestly desired. They have, from time to time, offered to discuss with the Government of Afghanistan all matters of common interest relating to the border areas, such as, schemes of economic, educational and moral uplift of the people on both sides of the border. From the negative response that this Government has received it can

On Dr. Omar Hayat Malik's drawing attention to the resentment caused by the Afghan Ambassador's statement throughout Pakistan and particularly in the North West Frontier Province and the Tribal areas, the Hon'ble the Prime Minister admitted that resentment was bitter and very high. In this connection he referred to the recent action of the Legislative Assembly of the N.W.F.P., which had condemned unanimously and in unequivocal terms the activities and propaganda carried on by the Royal Afghan Government.

In reply to another question by the same Member about the steps which the Government of Pakistan had taken to counteract such false and malicious Afghan propaganda, the Hon'ble Prime Minister said :—

"I must confess that the Government of Pakistan have so far refrained from taking any countermeasures in respect of the persistent and malicious propaganda and intrigue by the agents of Afghan Government. In doing so, the Government have only followed their declared policy of maintaining and promoting friendly relations with all the Muslim countries. Unfortunately the Government of Afghanistan have not appreciated this friendly attitude It will be recalled that, when soon after its birth, Pakistan applied for the membership of the United Nations, Afghanistan was the only voice which opposed the admission of Pakistan. Ever since then, for some incomprehensible reasons, this neighbourly Muslim State has been following a policy of open hostility to Pakistan inspite of the widespread goodwill that the people of

عبدالغفار خان جیسے لوگ مملکت کیخلاف سرگرمیوں میں مصروف ہیں

کرتے سے حکومت پاکستان نے اب تک گریز کیا ہے ایسا کرتے وقت حکومت نے اپنی اس مسلمہ پالیسی پر عمل کیا ہے کہ تمام مسلم ملکوں کے ساتھ دوستانہ رشتے برقرار رکھے جائیں اور انہیں فروغ دیا جائے بدقسمتی سے افغانستان کی حکومت نے اس دوستانہ رویّہ کی قدر نہیں کی یہاں یہ بات بھی یاد دلائی جاسکتی ہے کہ وجود میں آنے کے بعد ہی پاکستان نے جب اقوام متحدہ میں اپنی رکنیت کی درخواست کی تو افغانستان کی واحد آواز تھی جو پاکستان کے داخلے کے خلاف بلند ہوئی تھی اسی وقت سے بعض ناقابل فہم اسباب کی بنا پر یہ ہمسایہ مسلم مملکت پاکستان کے خلاف کھلے بندوں معاندانہ پالیسی پر اس حقیقت کے باوجود عمل پیرا ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے عوام اپنے فطری رشتے اور قرابت داری کی بناء پر ایک دوسرے کے ساتھ وسیع پیمانے پر خیرسگالی کے جذبات رکھتے ہیں حکومت پاکستان وقتاً فوقتاً یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے کہ فی الحقیقت افغان حکومت نے اب غیرمعقول رویہ کیوں اختیار کر رکھا ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اب بھی یہ دریافت نہیں کرسکے کہ فی الحقیقت افغانستان کی حکومت کیا چاہتی ہے اور کیوں پہلے انہوں نے یہ استدعا کی کہ شمالی مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان کے بعض علاقوں کا نام بدل کر پختونستان رکھ دیا جائے تاکہ اس صوبے کے باشندوں کی نسلی شناخت مشکوک نہ رہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ بین الاقوامی سرحد کے جسے ڈیورنڈ لائن کہتے ہیں اس طرف کے علاقے پر مشتمل ایک آزاد مملکت قائم کی جائے جس کا نام پختونستان ہو۔ اس میں صوبہ سرحد اور بلوچستان کو شامل ہونا چاہیئے۔ افغان حکومت کی توجہ بار بار ان مقدس معاہدوں اور مفاہمتوں کی دفعات کی طرف مبذول کرائی گئی جن میں وہ رضاکارانہ طور پر شریک ہوئے ہیں اور جن کے تحت انہیں ڈیورنڈ لائن کے مشرقی علاقے میں بسنے والوں کے معاملات میں کسی طرح بھی مداخلت نہیں کرنی چاہیئے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ان بین الاقوامی اور عقلی امور کا قطعی طور پر عدم احترام کے باعث حکومت پاکستان کسی مفاہمت تک پہنچنے سے قطعی معذور رہی ہے حالانکہ یہ تہ دل سے اس کی خواہاں ہے۔ اس نے وقتاً فوقتاً حکومت افغانستان کو یہ پیش کش کی ہے کہ سرحدی علاقوں سے متعلق تمام امور مثلاً سرحد کی دونوں جانب کے عوام کی اقتصادی تعلیمی اور اخلاقی ترقی کے منصوبوں پر مذاکرات کئے جائیں۔ اس کا حکومت کو جو منفی جواب ملا اس سے یہی نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ حکومت افغانستان کو سرحدی علاقوں کے عوام کی اخلاقی و مادی فلاح سے اس قدر لگاؤ نہیں جس قدر کہ وہ ان کے ذریعہ اپنے ملک میں سیاسی فائدے حاصل کرنا چاہتی ہے یا پھر افغانستان کے سیاسی اور اقتصادی انحطاط کی طرف سے اپنے عوام کی توجہ ہٹانا چاہتی ہے۔ حکومت پاکستان کو قدرتی طور پر افغانستان کے ساتھ اپنے تعلقات کے سوال پر خاص طور پر افغان

پروپیگنڈے کے سبب پہنچنے والے نقصانات کی طرف سنجیدگی سے توجہ دینا پڑی ہے اس نے حکومت افغانستان کو پورے خلوص کے ساتھ ان خطرات کی طرف سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے جو اس کی شدید پالیسی میں مضمر ہیں قبائلیوں اور حکومت پاکستان کے خلاف لگاتار جو جھوٹ بولا جا رہا ہے اس کی وجہ سے قبائلی علاقے میں اس کے خلاف پیدا ہونے والے غیظ و غضب اور ناراضگی کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی گئی ہے حکومت پاکستان نے پھر پیشکش کی ہے۔ اور یہ پیشکش ہنوز باقی ہے۔ کہ یہ پائیدار دوستی کی بنیاد پر تعلقات استوار کرنے کے لئے افغانستان سے مذاکرات کے لئے تیار ہے۔ اس نے یہ سب کچھ کیا ہے اور انتہائی اشتعال انگیز بیانات اور سرگرمیوں کے مقابلے میں زبردست ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا ہے حکومت پاکستان افغانستان کی شاہی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہشمند تو ہے لیکن اس سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ ان حالات میں یہ ہمیشہ دوستی کا دم بھرتی رہے گی۔ اس نے ابھی یہ امید چھوڑ نہیں دی ہے کہ افغان حکمرانوں کی سلامتیٔ عقل بحال ہو جائے گی تاہم ہم غیر مبہم الفاظ میں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم اپنی ایک اِنچ زمین بھی کسی کے حوالے نہیں کرسکتے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ ہمیں علاقے کی ہوس نہیں ہے، ہم امن چاہتے ہیں لیکن اپنی عزت یا اپنے وطن کا کوئی حصہ قربان کر کے نہیں۔

ہم اپنی ایک اِنچ

زمین بھی کسی

کے حوالے نہیں کرسکتے

معاشی اصلاحات کے لئے مولانا مودودی کے گراں قدر خیالات

کراچی سے "معیار" کے ایک قاری نے ہمیں مولانا مودودی کی ایک تصنیف کے کچھ اقتباسات بھجوائے ہیں۔ جن میں جماعتِ اسلامی کے بانی اور ریڈیو پاکستان کے منکرِ اسلام مولانا مودودی نے معاشی مسائل کے حل کے لئے مختلف اصلاحات تجویز کی ہیں ہمارے قاری کا کہنا ہے۔ اس وقت پاکستان کا اہم ترین مسئلہ معاشی ہے لیکن آج کل اسی مسئلے کو نظرانداز کیا جا رہا ہے حکومت کی طرف سے بھی کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی جا رہی ہے۔ سیاسی رہنما بھی پاکستان کے اقتصادی مسائل پر عوام کی رہنمائی کرنے کے بجائے عوام سے ووٹ حاصل کئے بغیر اپنی کاروں پر جھنڈا لگوانے کی فکر میں ہیں۔

مولانا مودودی نے نہ جانے کس جذبے کے تحت اِن معاشی اصلاحات کو تجویز کیا تھا۔ اب جب کہ موجودہ حکومت، مولانا مودودی کے نزدیک پسندیدہ حکومت ہے۔ اَب تک اس حکومت سے ان کا کوئی اختلاف سننے میں نہیں آیا۔ بلکہ حکومت کے سربراہ مولانا مودودی سے ملاقات کے لئے خود اچھرے تشریف لے جا چکے ہیں۔ وہ مولانا مودودی کا احترام بھی کرتے ہیں۔ اس لئے اس سے اچھا موقع کب آئے گا۔ کہ مولانا مودودی اپنی ان اصلاحات پر عمل درآمد کے لئے ان اصلاحات کے مکمل نفاذ کے لئے موجودہ حکومت پر اپنا اثر و رسُوخ استعمال کریں۔ اس سے ملک کے معاشی مسائل کے حل میں بھی مدد ملے گی مولانا موصوف اپنی زندگی ہی میں اس پر عملدرآمد دیکھ سکیں گے۔

اگر ایسا نہیں کیا گیا تو مولانا مودودی کے "عقیدت مند" یہی تصوّر کریں گے۔ کہ یہ تصنیف صرف زبانی جمع خرچ تھا۔ مولانا مودودی نے یہ تجاویز ایماندارانہ طور پر پیش نہیں کی تھیں۔

معاشیاتِ اسلام

مصنف

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

مرتب

خورشید احمد

زیرِ اہتمام

ادارہ معارف اسلامی۔ کراچی

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳۔ای، شاہ عالم مارکٹ۔ لاہور (مغربی پاکستان)

شاخ:۔ ۱۶۔بیتُ المکرّم (پہلی منزل)۔ ڈھاکہ (مشرقی پاکستان)

طبقاتی جنگ برپا کرنے والے لوگ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور جائز حقوق کے لیے آپ کی جو کوشش بھی ہو، وہ جائز ذرائع سے ہونی چاہیے۔ اس صورت میں یہ ہر حق پرست انسان کا فرض ہوگا کہ وہ آپ کی تائید کرے۔

ملک کے معاشی نظام میں ہم جو اصلاحات کرانا چاہتے ہیں وہ یہ ہیں:[1]

۱۔ سُود، سٹّہ، جُوا اور دوسرے اُن تمام طریقوں کو، جنھیں اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے، قانوناً ممنوع کر دیا جائے اور صرف کسبِ حلال کے دروازے لوگوں کے لیے کھُلے رکھے جائیں۔ نیز حرام طریقوں سے دولت صرف کرنے کے دروازے بھی بند کر دیے جائیں۔ صرف اسی طرح نظامِ سرمایہ داری کی جڑ کٹ سکتی ہے اور وہ آزاد معیشت بھی باقی رہ سکتی ہے جو جمہوریت کے لیے ضروری ہے۔

۲۔ اب تک ناجائز اور حرام طریقوں اور ایک فاسد نظام کی غلط بخشیوں سے دولت کا جو انتہائی ظالمانہ ارتکاز ہو چکا ہے اس کا استیصال کرنے کے لیے اسلامی اصولوں کے مطابق اُن تمام لوگوں کا سختی کے ساتھ محاسبہ کیا جائے جن کے پاس دولت کا غیر معمولی اجتماع پایا جاتا ہے، اور وہ سب کچھ ان سے واپس لیا جائے جو حرام طریقوں سے حاصل کیا گیا ہے۔

۳۔ ایک طویل مدّت تک زرعی املاک کے معاملہ میں غلط نظام رائج رہنے کی وجہ سے جو ناہمواریاں پیدا ہو چکی ہیں ان کو ختم کرنے کے لیے شریعت کے اِس قاعدے پر عمل کیا جائے کہ "غیر معمولی حالات میں ایسی غیر معمولی تدابیر اصلاح اختیار کی جا سکتی ہیں جو اسلام کے اُصولوں سے متصادم نہ ہوتی ہوں"۔ اس قاعدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے:

(الف) ان تمام نئی اور پُرانی جاگیرداریوں کو قطعی ختم کر دیا جائے جو کسی دورِ حکومت میں اختیارات کے ناجائز استعمال سے پیدا ہوئی ہوں، کیوں کہ ان کی ملکیت ہی شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔

(ب) قدیم املاک کے معاملہ میں زمین کی ملکیت کو ایک خاص حد تک (مثلاً سو یا دو سو ایکڑ) تک محدود کر دیا جائے اور اس سے زائد ملکیت کو منصفانہ شرح پر خرید لیا جائے۔ یہ تحدید صرف عارضی طور پر پچھلی ناہمواریاں دُور کرنے کے لیے کی جا سکتی ہے۔ اسے مستقل حیثیت نہیں دی جا سکتی، کیوں کہ مستقل تحدید صرف اسلامی قانونِ وراثت ہی سے نہیں بلکہ متعدد دوسرے شرعی قوانین سے بھی متصادم ہوتی ہے۔

(ج) تمام زمینیں خواہ وہ سرکاری املاک میں سے ہوں یا مذکورۂ بالا دونوں طریقوں سے حاصل ہوئی ہوں یا نئے بیراجوں کے ذریعے سے کاشت کے قابل ہو گئی ہوں، ان کے بارے میں یہ قاعدہ طے کر دیا جائے کہ وہ غیر مالک کاشت کاروں، یا اقتصادی حد سے کم زمین کے مالکوں کے ہاتھ آسان اقساط پر فروخت کی جائیں گی۔ اور اس معاملہ میں قریبی علاقوں کے لوگوں کا حقِ مقدم رکھا جائے گا۔ سرکاری لوگوں یا افسروں کو سستے داموں دینے یا عطیے کے طور پر دے دینے کا طریقہ بند کر دیا جائے اور جن کو اس طرح زمینیں دے دی گئی ہیں انھیں واپس لے لیا جائے۔ نیز نیلام کے ذریعے سے فروخت کرنے کا طریقہ بھی ترک کر دیا جائے۔

(د) مزارعت کے متعلق اسلامی قوانین کی سختی کے ساتھ پابندی کرائی جائے اور تمام غیر اسلامی طریقوں کو ازرُوئے قانون روک دیا جائے تاکہ کوئی زمینداری ظلم کی شکل اختیار نہ کر سکے۔

۴۔ معاوضوں کے درمیان موجودہ تفاوت کو جو ایک اور سو سے بھی زیادہ ہے گھٹا کر فی الحال ایک اور بیس کی نسبت پر، اور بتدریج ایک اور دس کی نسبت پر لے آیا جائے۔ نیز یہ طے کر دیا جائے کہ کوئی معاوضہ اُس حد سے کم نہ ہو جو موجودہ زمانے کی قیمتوں کے لحاظ سے ایک کنبے کی بنیادی ضروریات کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ حد بحالتِ موجودہ ڈیڑھ سو اور دو سو کے درمیان ہونی چاہیے، اور قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کم سے کم حدِ معاوضہ پر وقتاً فوقتاً نظرِ ثانی کی جاتی رہنی چاہیے۔

۵۔ کم تنخواہ پانے والے ملازمین کو مکان، علاج اور بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں مناسب سہولتیں دی جائیں۔

۶۔ تمام صنعتوں میں مزدوروں کو مذکورۂ بالا کم سے کم حدِ معاوضہ کے علاوہ نقد بونس بھی دیا جائے اور بونس شیئرز کے ذریعہ سے انھیں صنعتوں کی ملکیت میں حصہ دار بنایا جائے، تاکہ جس صنعت سے وہ تعلق رکھتے ہیں اس کی ترقی سے ان کی ذاتی دلچسپی وابستہ ہو جائے، اور جس دولت کے پیدا کرنے میں ان کی محنت شامل ہے۔ اس کے منافع میں بھی وہ حصہ دار ہوں۔

۷۔ موجودہ لیبر قوانین کو بدل کر ایسے منصفانہ قوانین بنائے جائیں جو سرمایہ اور محنت کی کش مکش کو حقیقی تعاون میں تبدیل کر دیں، محنت پیشہ گروہ کو اس کے جائز حقوق دلوائیں، اور نزاعات کی صورت میں تصفیہ کا ایسا طریقہ مقرر کر دیں جو ٹھیک ٹھیک انصاف قائم کر سکتا ہو۔

۸۔ ملکی قوانین اور انتظامی پالیسیوں میں اس طرح ترمیم و اصلاح کی جائے کہ صنعت و تجارت پر سے چند لوگوں کا تسلط ختم ہو اور معاشرے کے زیادہ سے زیادہ افراد ان کی ملکیت اور منافع میں حصہ دار بن سکیں۔ نیز قوانین اور پالیسیوں کی اُن تمام خامیوں کو بھی دور کیا جائے جن کی بدولت ناجائز نفع اندوزیاں کی جاتی ہیں، مصنوعی گرانی پیدا کر کے خلقِ خدا کے لیے زندگی بسر کرنا دشوار کر دیا جاتا ہے، اور ملک کی معاشی ترقی کا فائدہ عوام تک نہیں پہنچنے دیا جاتا۔

[1] یہ مجلسِ عاملہ جماعتِ اسلامی پاکستان کی ایک قرارداد کا حصّہ ہے جسے یہاں اس لیے درج کیا جا رہا ہے کہ وہ قرارداد مصنف ہی کی مرتب کردہ تھی۔ (مرتب)

باقی صفحہ ۵۰ پر

پی ایف یو جے اور ایپنک کی جدوجہد مطالبات پورے ہونے تک جاری رہے گی

شہر شہر سے اخباری کارکن گرفتاریوں کے لئے پیش ہو رہے ہیں

حکومت کا دعویٰ ہے کہ ملک میں صحافت آج جتنی آزاد ہے اس سے پہلے کبھی نہیں تھی، شاید اسی دعویٰ کو درست ثابت کرنے کے لئے یوم مئی سے ایک روز قبل آزادیٔ صحافت کا مطالبہ کرنے والے اکیس صحافیوں اور اخباری کارکنوں کو مارشل لار کے ضابطہ ۳۳ اور ۱۷ کے تحت گرفتار کرلیا گیا، گرفتار ہونے والوں میں فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کے سکریٹری جنرل مسٹر نثار عثمانی ایپنک کے جنرل سیکریٹری حفیظ راقب، ہفت روزہ الفتح کے مدیر وہاب صدیقی، خیبر یونین آف جرنلسٹس کے سابق صدر جوہر میر، کراچی یونین آف جرنلسٹس کے جنرل سکریٹری احفاظ الرحمٰن، امروز ملتان کے حیدر بخش جتوئی، مساوات ورکرز یونین کے جنرل سیکریٹری مشتاق احمد کے علاوہ کراچی، حیدرآباد اور دوسرے شہروں سے آئے ہوئے صحافی، اور مساوات کے کارکن شامل ہیں، پی ایف یو جے اور ایپنک کے مشترکہ صدر مسٹر منہاج برنا کو حکومت پہلے ہی پنجاب بدر کر چکی ہے، حکومت کا شاید یہ خیال تھا کہ منہاج برنا کو کراچی بھیجنے اور صحافیوں کے دوسرے رہنماؤں کو تھوک کے بھاؤ گرفتار کرنے سے آزادیٔ صحافت کا مسئلہ حل ہو جائے گا، لیکن یہ خیال کم تھا اور خام خیالی زیادہ تھی۔ گرفتاری کے دوسرے دن لاہور کے صحافی اور اخباری کارکن پریس کلب میں جمع ہوئے اور انہوں نے صحافیوں اور اخباری کارکنوں کے خلاف کی گئی ان کارروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا، جب تک ایپنک پی ایف یو جے کے آٹھ نکاتی مطالبات پورے نہیں

اخباری کارکنوں کی جدوجہد کا دائرہ وسیع ہو سکتا ہے

ہو جاتے ان کی جدوجہد جاری رہے گی، جلسہ ختم ہونے کے بعد چار افراد جن میں ایک خاتون فریدہ حفیظ بھی شامل تھیں اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ فریدہ حفیظ کا تعلق مشرق سے ہے اور خاص طور پر اس جدوجہد میں حصہ لینے کے لئے راولپنڈی سے آئی تھیں، چاروں بھوک ہڑتالی خاموشی سے پریس کلب سے دفتر مساوات پہنچے اور تالہ لگے گیٹ کے باہر بھوک ہڑتال پر بیٹھ گئے اس موقع پر اخباری کارکنوں نے تالیوں کی گونج میں بھوک ہڑتالیوں کو ہار پہنائے صحافیوں کی ہڑتال پر بیٹھنے کی کارروائی اس قدر منظم طریقہ سے عمل میں آئی کہ پریس کلب کے باہر کھڑی پولیس اور سی آئی ڈی حیران رہ گئی، صحافی دفتر مساوات کے باہر بھوک ہڑتال پر بیٹھ گئے اور پولیس پریس کلب کے باہر ان کا انتظار کرتی رہی اس طرح بھوک ہڑتال کرنے والوں کو ڈیڑھ گھنٹے تک بھوک ہڑتال پر بیٹھنے کا موقع مل گیا، انہیں دیکھ کر لوگ سڑک پر جمع ہو گئے لیکن پولیس نے انہیں منتشر کر دیا۔ راستے سے گزرنے والوں نے صحافیوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلائے اور اسطرح اپنی حمایت کا اظہار کیا، ڈیڑھ گھنٹے کے بعد پولیس کی ایک جیپ آئی اور چاروں بھوک ہڑتالیوں کو جیپ میں بٹھا کر تھانے لے گئی، جہاں پر پوچھ گچھ کے بعد رہا کر دیا گیا۔

دوسرے روز مساوات کے بجائے یوم مئی کے جلسے اور بھوک ہڑتالی مساوات کے گیٹ پر اس لئے بیٹھے کیونکہ پہلے روز کی گرفتاریوں کے بعد پولیس نے مساوات کے دفتر کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور کسی شخص اور حتیٰ کہ مساوات کے کارکنوں کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ یوم مئی کی صبح تک صورتحال اس قدر سنگین ہو گئی کہ دفتر کے اندر موجود چوکیداروں کو باہر کے کسی آدمی سے بھی بات چیت سے منع کر دیا۔ اس پابندی کی وجہ سے وہ باہر سے اپنے لئے کھانا بھی نہیں منگوا سکے اور یوں ان چوکیداروں کے لئے دفتر مساوات جیل کی شکل اختیار کر گیا۔ جیل بھی ایسی جس میں کھانا بھی نصیب نہ ہوا۔ پاکستان میں شاید ایسی کوئی جیل نہیں ہو گی۔ صحافیوں کی گرفتاریوں کا یہ سلسلہ خیال ہے کہ طویل عرصہ تک جاری رہے گا۔ انہیں نہ صرف اپنی برادری کی حمایت حاصل ہے بلکہ طالب علم، مزدور تنظیموں نے بھی اس جدوجہد میں اپنی مکمل حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔

۲۵ کارکن جن میں ایڈیٹر، رپورٹر، پریس مین اور خوش نویس شامل ہیں ملٹری کورٹ سے سزا کے انتظار میں ہیں اور انہیں اب ۸ روز کے جوڈیشنل ریمانڈ پر جیل منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس وقت جب کہ قارئین یہ رپورٹ پڑھ رہے ہونگے، گرفتار ہونے والوں صحافیوں اور اخباری کارکنوں کی تعداد پچاس کے قریب قریب پہنچ چکی ہو گی پتہ نہیں گرفتاریوں کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ صحافیوں کے مطالبات تسلیم ہوں گے یا نہیں، لیکن جدوجہد میں شریک صحافیوں کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں انکا کہنا ہے کہ وہ اصولوں کی جنگ لڑ رہے ہیں اور وہ سچ کے راستے پر ہیں اسلئے وہی سرخرو ہونگے۔

صحافیوں کا موقف ہے کہ آزادیٔ صحافت صحیح معنوں میں بحال کی جائے، ہر شخص یا پارٹی کو اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی دی جائے مساوات کو بحال کیا جائے۔ پریس اینڈ پبلیکیشنز جیسے کالے قوانین منسوخ کئے جائیں، گرفتار صحافیوں کو رہا کیا جائے۔

ع چلو اس بار بھی ہم ہی سرِ مقتل نکلتے ہیں

حبیب جالب کی شاعری ہر دور کی شاعری ہے

حبیب جالب کے حوالے سے اب تک دو ہی طرح کی تقریبات منعقد ہوتی رہی ہیں یا تو یہ تقریبات ان کی رہائی کی خوشی میں منعقد ہوتی رہی ہیں یا پھر ان کی گرفتاری سے پہلے تاکہ گرفتاری کا جواز بن سکیں مگر پچھلے دنوں آرٹس کونسل میں ایک ـــــ مختلف تقریب کا انعقاد ہوا۔

یہ تقریب حبیب جالب کی پچاسویں سالگرہ منانے کے لئے منعقد ہوئی تھی۔

حبیب جالب جیسے مست ملنگ عوامی شاعر کی یہ پچاسویں سالگرہ اس پیمانے پر اور اس انداز سے تو نہیں ہوئی جس کی توقع جالب کے پرستار کر رہے تھے مگر اس تقریب کے پیچھے جو مقصد کارفرما تھا وہ یقیناً قابلِ تحسین تھا یعنی ایک "سووینیر" کی اشاعت جس کے لئے روایتی طور پر خود جالب کو بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑے۔

تین ماہ قبل جب حبیب جالب کی سالگرہ منانے کے لئے علم دوست حضرات کا ایک اجلاس ہوا اور اس میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تو ابتدائی چند دنوں میں تو اس کمیٹی کا کام بڑا حوصلہ افزا تھا مگر پھر یہ کمیٹی دوسری کمیٹیوں کی طرح چند افراد تک محدود ہو

گئی جس میں سرفہرست سیّد سبطِ حسن ڈاکٹر محمد سرور ڈاکٹر بدرالدین صدیقی تھے۔ مذکورہ کمیٹی کے ان ہی تین افراد نے جشنِ حبیب جالبؔ منانے کے تمام انتظامات کئے پروگرام کے مطابق اس جشن کو اپریل کے پہلے ہفتے میں شہر کے کسی بڑے عوامی ہال میں ہونا تھا مگر انتظامیہ سے اجازت نہ ملنے کے سبب ۲۸- اپریل کو اسے آرٹس کونسل سے ملحق ہوٹل گلزنگ کے ایک مختصر سے ہال میں کرنا پڑا۔

ایر کنڈیشنڈ ہال کے سرد ماحول میں سید سبطِ حسن کے مختصر تعارفی کلمات کے جب حبیب جالب کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے مخصوص دلکش اور پرسوز ترنم سے اشعار سنانا شروع کئے تو چند ہی منٹ میں گلزنگ کا ایر کنڈیشنڈ ہال کا سرد ماحول جالب کے رنگ میں رنگ گیا۔ یہی جالب کی شاعری کا وصف ہے

بارہ مرتبہ جیل گئے، لیکن راستہ نہیں بدلا

جس نے اُسے ہر مکتبِ فکر کے لوگوں میں مقبولیت بخشی ہے وہ سب کچھ جو ہم سوچتے ہیں اور کہنا چاہتے ہیں مگر ڈر خوف جھجک یا پھر مصلحتوں کے سبب کہنے کا حوصلہ نہیں رکھتے وہ ہم جالب سے سنتے ہیں۔

یہی ہے جرم میرا مجھ کو دار پہ کھینچو
سروں پہ سایۂ شمشیر میں نہ دیکھ سکا

حبیب جالب بلا شک و شبہ ہمارے ملک کا واحد شاعر ہے جس کے فن کی بنیاد عوامی فکر و احساس پر قائم ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ عوام میں اگر کوئی مقبول ہے تو وہ حبیب جالبؔ ہمارے ملک کے دیگر شعرا اور ادیب حضرات کی اکثریت جب چڑھتے سورج کی پوجا میں مصروف ہوتی ہے یا پھر حالات کی تلپٹش سے بے نیاز ہو کر اپنی داخلی کجروی کو آگل رہی ہوتی ہے تو یہ حبیب جالب ہی ہوتا ہے جو اپنی شاعری کے ذریعہ معروضی حقائق کی تفسیر پیش کرتا ہے اور غیر مبہم انداز میں ظالم کو ظالم قرار دیتا ہے۔

نشان کہیں نہ رہے گا تمھارا شیطانو
ہمیں یقین ہے کہ انسان اِس کو پیارا ہے
خدا تمھارا نہیں ہے خدا ہمارا ہے
اُسے زمیں پہ یہ ظلم کب گوارا ہے

حبیب جالب کی پچھلے دس بارہ سال سے وابستگی ایک سیاسی پارٹی سے رہی ہے مگر اس کے پرستاروں کا دائرہ اس سے محدود نہیں ہوا وہ حکمران پارٹی کا ہو یا حزبِ اختلاف کی کسی دائیں یا بائیں بازو کی پارٹی کا مڈل کلاس اور اپر مڈل کلاس کے ڈرائنگ روم کی حد تک باذوق ادب دوست ہوں یا کارخانوں میں کام کرنے والے محنت کش جالبؔ کی شاعری کو پسند کرنے والے ہر جگہ موجود ہیں اور اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ جالبؔ نے کسی ایک دور میں کسی ایک حکمران کے خلاف نہیں لکھا بلکہ جس برسرِ اقتدار حکمران نے عوام کو ان کے حقوق سے محروم کیا آزادیٔ رائے پر پابندی عائد کی جالبؔ نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ حق گوئی کہ اس جرم میں اسے کوئی بارہ مرتبہ جیل یاترا کرنا پڑی، بے روزگاری اور دوستوں کی بے اعتنائی کا کرب جھیلنا پڑا مگر اس سے جالب کے ارادوں اور جذبوں کی شدت میں کمی نہیں آئی اور آج بھی جالب پوری استقامت سے حق و انصاف کے نغمے لکھ رہا ہے۔

کہاں تک دوستوں کی بے دلی کا ہم کریں ماتم
چلو اس بار بھی ہم ہی سرِ مقتل نکلتے ہیں

۵۵

حبیب جالبؔ کی ایک غیر مطبوعہ غزل

کہاں قاتل بدلتے ہیں فقط چہرے بدلتے ہیں۔
عجب اپنا سفر ہے فاصلے بھی ساتھ چلتے ہیں

وہ جس کی روشنی کچے گھروں تک بھی پہنچتی ہے
نہ وہ سورج نکلتا ہے نہ اپنے دن بدلتے ہیں

بہت کم ظرف تھا جو محفلوں کو کر گیا ویراں
نہ پوچھو حالِ یاراں شام کو جب سائے ڈھلتے ہیں

کہاں تک دوستوں کی بے دلی کا ہم کریں ماتم
چلو اس بار بھی ہم ہی سرِ مقتل نکلتے ہیں۔

ہمیشہ اوج پر دیکھا مقدر ان ادیبوں کا
جو ابن الوقت ہوتے ہیں ہوا کے ساتھ چلتے ہیں

بہر صورت مسائل کو تو حل کرنا ہی پڑتا ہے۔
مسائل ایسے مسائل ہیں کہاں ٹالے سے ٹلتے ہیں

یہ راز افلاس کے ماروں نے آخر پا لیا جالبؔ
چراغ اونچے مکانوں میں ہمارے خون سے جلتے ہیں

ملتان

اتحاد میں شامل دو جماعتیں

جمعیت علمائے پاکستان کو قومی اتحاد سے نکالنا چاہتی ہیں

قسور سعید مرزا

جمعیت علمائے پاکستان کی قیادت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ قومی اتحاد میں شامل جماعتوں میں ان کی جماعت سب سے بڑی جماعت ہے۔ ملتان دو دن اس جماعت کے رہنماؤں کی لپیٹ میں رہا۔ جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی رہنما ۲۲ اپریل کی سخت دھوپ میں اچانک ملتان پہنچے۔ ملتان آنے والے رہنماؤں میں شاہ فرید الحق، ظہور الحسن بھوپالی، سابق سینیٹر مفتی ظفر علی نعمانی، محمد صدیق راٹھور ایڈووکیٹ، محمد احمد صدیقی، اور نیاز احمد نیازی نمایاں تھے۔ جب کہ جمعیت کے مرکزی جنرل سکریٹری مولانا عبدالستار نیازی بھی بذریعہ کار ملتان پہنچ گئے تھے۔ باخبر حلقوں کے مطابق ان قائدین نے ملتان پہنچنے کے بعد قومی حکومت میں شمولیت، جمعیت علمائے پاکستان کے ساتھ قومی اتحاد کے قائدین کے سلوک اور دوسرے اہم معاملات پر تبادلہ خیال کیا۔ دریں اثنا شاہ فرید الحق اور ظہور الحسن بھوپالی نے بعض اخباری نمائندوں کو بتایا کہ قومی اتحاد نے ایسے اقدامات کئے ہیں جن سے جمعیت علماء پاکستان کو عملی طور پر اتحاد سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق سے گذشتہ دنوں ملاقات کے موقعہ پر اتحاد کے نائب صدر نواب زادہ نصر اللہ خان نے جمعیت کے مرکزی رہنما مولانا عبدالستار نیازی کو اطلاع دی کہ وہ جنرل صاحب سے ملاقات کے لئے پہنچ جائیں۔ لیکن جب وہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ قومی اتحاد کے جنرل سکریٹری پروفیسر غفور احمد نے ملاقات کے لئے اتحاد کے جن رہنماؤں کی فہرست دی تھی اس میں مولانا عبدالستار نیازی کا نام شامل نہیں تھا انہوں نے کہا کہ الیکشن سیل کے سربراہ جنرل چشتی سے جمعیت اور این ڈی پی کے رہنماؤں نے علیحدہ علیحدہ ملاقات کی۔ این ڈی پی کے رہنماؤں سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی لیکن ہمارے خلاف اتحاد کے رہنماؤں نے بیان بازی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ شاہ صاحب نے بتایا کہ ۲۰ مارچ کو وہ اور بھوپالی پنڈی میں موجود تھے تو قومی اتحاد کے رہنما پیر پگاڑا نے دعوت دی کہ ہم چوہدری ظہور الٰہی کی قیام گاہ پر گفت و شنید اور غیر رسمی ملاقات کے لئے پہنچ جائیں لیکن جب ہم وہاں پہنچے تو ہمیں کہا گیا کہ فلاں کمرے میں مسلم لیگ کے رہنماؤں کا اجلاس ہو رہا ہے جہاں آپ لوگ نہیں جا سکتے انہوں نے کہا کہ ہمارے جب اتحاد سے اختلافات ہوئے تو نواب زادہ نصر اللہ خاں اور محمد اشرف خاں پر مشتمل مصالحتی کمیٹی اور جمعیت کے رہنماؤں میں بات چیت کے کئی دور ہوئے اور نواب صاحب نے واضح طور پر ہمارے موقف کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا کہا کہ جمعیت کے تمام مطالبات تسلیم کر لئے گئے ہیں لیکن اتحاد میں شامل دو جماعتیں ہمیں اتحاد سے نکالنے پر تلی ہوئی ہیں اور جمعیت علمائے پاکستان سیاسی سرگرمیوں کی بحالی کے بغیر قومی حکومت میں شمولیت کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کی وجہ سے جمعیت شوریٰ کا اجلاس منعقد نہیں ہو سکتا اس لئے ہمارا قومی حکومت میں اتحاد کے ساتھ یا انفرادی طور پر شمولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ ویسے بھی موجودہ حکومت نے قومی حکومت کے قیام کے متعلق اپنے موقف کا واضح اعلان نہیں کیا۔ ہمیں اب تک اس بات کا علم نہیں کہ قومی حکومت انتخابات کرانے یا انتخابات ختم کرنے کے لئے قائم کی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دراصل مفتی محمود مولانا کوثر نیازی کو قومی حکومت میں شامل کرنے پر رضامند ہو چکے ہیں لیکن جمعیت علمائے پاکستان ایسا نہیں ہونے دے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ اتحاد کا سابقہ الیکشن کھلی دھاندلی ہے مولانا مفتی محمود اور پروفیسر غفور احمد کو مستعفی ہو جانا چاہیئے۔ ان رہنماؤں نے خان گڑھ میں نواب زادہ نصر اللہ خان سے بھی ملاقات کی سیاسی حلقوں میں خیال کیا جا رہا ہے کہ جمعیت علماء پاکستان مستقبل میں اپوزیشن کا کردار ادا کرنا چاہتی ہے اور اس مقصد کے لئے جمعیت کے پاس نہ صرف افرادی قوت ہے۔ بلکہ اقتصادی طور پر بھی مضبوط ہے مولانا شاہ احمد نورانی کی آمد کے بعد صحیح صورت حال سامنے آسکے گی۔

این ڈی پی ضلع ملتان کے صدر سید حیدر عباس گردیزی نے قومی حکومت کے مسئلہ پر سردار شیر باز مزاری کے موقف کو جمہوری روایات کے عین مطابق قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اقتدار کا اصل سرچشمہ صرف عوام ہیں عوام کی حمایت کے بغیر اقتدار بے معنی اور بے اثر ہو گا انہوں نے کہا کہ این ڈی پی کے سربراہ کے حالیہ موقف سے پارٹی کے ان کارکنوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے جو پارٹی کو خالصتاً جمہوری ترقی پسندانہ وطن دوست قوت کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں اور اقتدار کے اصل وارث پاکستان میں بسنے والے کروڑوں محنت کش عوام ہیں اور ان کی شرکت اور منشا کے بغیر حاصل کیا ہوا اقتدار نہ صرف ان کے ساتھ بلکہ مہذب دنیا کے تمام تر مروجہ جمہوری اخلاقیات کے ساتھ ایک مذاق سے کم نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت جو ملک میں جمہوریت بحال کرنے کا وعدہ کر چکی ہے۔ اس کے لئے بھی یہ قدم خوش آئند نہ ہوگا کیونکہ اصل مسئلہ قومی حکومت کا نہیں جمہوری حکومت کا ہے اور پاکستان کے بحران کی وجہ صرف اور صرف انتخابات میں غیر ضروری تاخیر ہے۔ انہوں نے کہا کہ اصل مسئلہ کے حل کی طرف توجہ دی جائے ورنہ یہ قومی بحران گہرا ہوتا چلا جائے گا۔

سینٹ کا انتخاب

جامعہ کراچی کی سنیٹ کے لئے رجسٹرڈ گریجویٹس کے حلقہ سے انتخابات گذشتہ کئی ماہ سے ٹلتے ٹلتے اب ۱۲ مئی کو منعقد ہو رہے ہیں یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ جامعہ کراچی کے قیام کو ۲۷ سال گزر چکے ہیں اور اس دوران ہزاروں گریجویٹس طلبہ نکلے ہیں مگر اس میں سے صرف بارہ سو انیس گریجویٹس طلبہ نے اپنا رجسٹریشن کروایا ہے اور یہی بارہ سو انیس گریجویٹس سنیٹ کے اراکین کے لئے اپنا حق رائے دہی استعمال کریں گے۔ کارکردگی کے اعتبار سے جامعہ کی سنیٹ ایک کاغذی ادارے سے زیادہ نہیں ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اب تک جن افراد نے سنیٹ سے گریجویٹس طلبہ کی نمائندگی کی ہے ان کا مقصد صرف سنیٹ کا رکن منتخب ہونا تھا۔

مگر اب جو ۳ سال بعد انتخابات ہو رہے ہیں تو رجسٹرڈ گریجویٹس سنیٹ کو ایک فعال ادارہ بنانے کے لیے اہل اور فعال ارکان کو منتخب کرنا چاہتے ہیں۔ یوں تو سنیٹ کے گذشتہ انتخاب کے شکست خوردہ اور قومی اتحاد کے صوبائی اسمبلی کے امیدوار یوسف بلوچ اور جماعت اسلامی کے نامزد کردہ سلمان جاوید بھی میدان میں ہیں مگر گریجویٹس طلبہ کی اکثریت سید محمد آغا کے ساتھ ہے جو ماضی میں طلبہ کی سیاست میں نہایت فعال کردار ادا کر چکے ہیں اور اس وقت بھی وہ کراچی کی طلبہ برادری میں اپنی طویل جانبدارانہ وابستگی کے سبب ممتاز ہیں۔ جماعت اسلامی اور اس کی ذیلی تنظیموں کا اپنے بے پناہ وسائل سے اپنے امیدواروں کی مہم چلا رہی ہیں مگر سید محمد آغا کو اس وقت کراچی کی تمام جمعیت اور جماعت اسلامی دشمن طلبہ تنظیم کی حمایت حاصل ہے جس کے سبب ان کا سینیٹ کا رکن منتخب ہونا یقینی ہے۔

اسیرانِ جمہوریت

جھنگ سے

۱- نفیس الدین فاروقی ۳ ماہ کیلئے نظر بند
۲- مہر لال کبیر سیرا رکن پیپلز پارٹی شورکوٹ
۳- عبدالشکور " "
۴- سردار زادہ ظفر عباس ایڈووکیٹ - سات ماہ سے نظر بند ہیں -
۵- راشد ناگی سیکرٹری پیپلز پارٹی ضلع گوجرانوالہ

ہالہ کے سزا یافتہ کارکن

۶- غلام علی میز بحر - ۷- محمد بخش نظامانی ۸ جہانگیر قریشی - ۹- جعفر ۱۰- نور محمد گھیو ۱۱- سرفراز میمن - ۱۲- شیخ محمد ڈاہری - ۱۳- منیر احمد میمن -
۱۴- یار محمد

ان کارکنوں کو ایک ایک سال قید بامشقت اور دس کوڑے سے ایک ٹک کی سزائیں دی گئی تھیں)
۱۵- محمد عرس شورو رسیکرٹری پیپلز پارٹی گھارو ۱۸ مارچ سے گرفتار ہیں۔

دادو جیل میں نظر بند
(میہڑ شہر کے کارکنوں کے نام)

۱- امیر علی ابڑی (طالب علم)
۲- جیب اللہ (طالب علم)
۳- محمد امین (طالب علم)
۴- نثار احمد بھٹی (طالب علم)
۵- میر محمد ودیانی (")
۶- رفیق احمد امیر (رکن پی پی پی)
۷- بہادر سولنگی (نمائندہ عبرت)
۸- محمد اسماعیل بھٹی (رکن پی پی پی)
۹- قربان جتوئی (")
۱۰- قربان منگھار (")
۱۱- عبدالستار (")
۱۲- عبدالغفار (")
۱۳- نور محمد "
۱۴- شمس الدین ناریجو (")
۱۵- اللہ بخش سروہی (رکن پی پی پی)
۱۶- اللہ بخش جاودانی (")

سیہون شہر کے کارکنوں کے نام

۱- ابوالحسن سولنگی - (۲) حفیظ احمد سمتہ - (۳) محمد اسماعیل لاکھو (۴) عبدالغفور سولنگی (۵) غلام منیر بلوچ - (۶) محمد رمضان عرف میر یو (۷) یار محمد سولنگی (۸) واحد بخش - (۹) خدا بخش سولنگی -

بھلجی اسٹیشن کے سیاسی کارکن

(۱) منیر احمد ہنگورہ (طالب علم) (۲)- محمد تحمل پنور (رکن پی پی پی) (۳) عبدالمعید (رکن پی پی پی) (۴) نذیر احمد (رکن پی پی پی) (۵) آچر بھان حیدرآباد کے رکن پی پی پی۔

یوم مئی کے موقع پر مزدور کسان، طلبا رابطہ کمیٹی کا جلوس

'ہارس شو' میں فلم

ماضی، حال، مستقبل کی شوٹنگ

شہناز احد کی رپورٹ
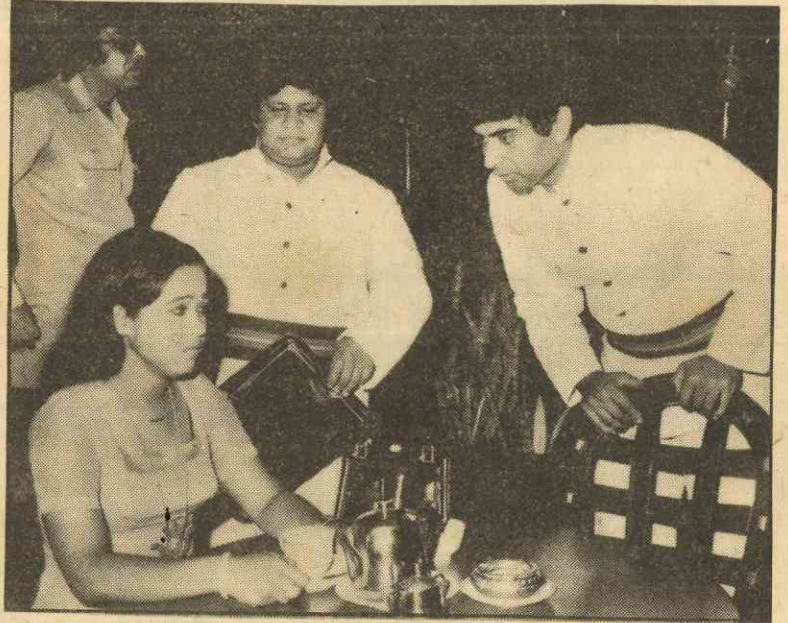
شاہد شوٹنگ کے دوران بھی

بابرا کے فرمانبردار نظر آتے ہیں

"آگے پیچھے کھسے ذرا سچھے، آپ بندے ہٹا کالے نو ریکسوٹ کر دے، بے بی کو ذرا ادھر کھڑا کر، روشنی بند صرف نائبر"

یہ ریسٹورنٹ ہورس شو کے ہال میں فلم ماضی حال مستقبل" کے لئے سیک بار کا سین فلمانے کی تیاری تھی بغلی کمرہ سے فلم کی ہیروئن بابرا کریم کلر کا پرنٹڈ لان سوٹ اور کالی پرنٹڈ چادر کو بطور برقعہ اوڑھے باہر نکلیں ان کا کام ختم ہو چکا تھا وہ میک اپ اتار کر آئی تھیں۔ نیم تاریک ہال میں انھیں ہوٹل کا بیرا نے شاہد نظر نہ آئے تو کرسی پر بیٹھتے ہوئے انھوں نے آواز لگائی "میاں جی کدھر ہیں؟

کراچی میں شاہد اور بابرا کی پریس کانفرنس

بابرا کی آواز پر شاہد نے فرمانبردار شوہروں کی طرح اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو بابرا نے انھیں فوراً پاس آنے کا حکم جاری کیا۔ اس اطمینان کے بعد شاہد نے کھانا نہیں کھایا انہوں نے مینو پوچھتے ہوئے کڑھائی گوشت اور پالک گوشت کا آرڈر دیا۔ آرڈر دینے کے بعد بھی وہ بار بار پالک گوشت اور نان منگوانے کی تکرار کرتی رہیں۔ اسی تکرار میں انھیں چیکو یاد آگئے تو سامنے کھڑے انکل نورالدین کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "انکل آپ نے میرے لئے چیکو کیوں نہیں منگوائے حالانکہ بازار میں مل رہے ہیں"۔
اسی دوران شاہد کو کیمرہ کے سامنے آنے کا آرڈر ملا تو انہوں نے گلیسرین کے آنسو بہاتی بے بی نغیمہ کے ساتھ فلم بندی کراتے ہوئے مشورہ دیا۔ "دوستی کس کی نہیں ہوتی جی! ایسا کریں آپ کسی اور کو پھانس لیں"۔
دو سیکنڈ کی اس عکس بندی کے بعد شاہد دوبارہ بابرا کے حضور پہنچ گئے تھے۔

بابرا خاصے خوشگوار موڈ میں چہک رہی تھیں اور شاہد سے ہونے والی پریس کانفرنس کے جوابات پوچھ رہی تھیں۔ جبکہ شاہد خود کو چاق و چوبند ظاہر کرنے کے باوجود بجھے بجھے سے تھے۔

∞

شاہد چوتھی شادی نہیں کرینگے!

بابرا سوتیلے بچوں کو سنوارنے پر رضامند ہیں

افواہوں، خبروں، خوش فہمیوں، غلط فہمیوں کی تردید تصدیق کے لئے شاہد اور بابرہ نے فلم ماضی حال مستقبل کی شوٹنگ سے وقت نکال کر پریس کانفرنس بلائی جس کے متعلق شاہد کا کہنا تھا کہ "میرا مقصد صرف اور صرف آپ لوگوں کے ساتھ مل بیٹھ کر چائے پینا اور باتیں کرنا ہے۔ کالی پرنٹیڈ قمیص اور آسمانی سوٹ پہنے شاہد خاصے خوشگوار موڈ میں بار بار اخباری نمائندوں سے کہتے تھے "آپ لوگ کچھ پوچھیں نا"
سرخ جارجٹ کی میکسی پہنے سادہ سا جوڑا بنائے ہر قسم کے میک اپ سے مبرا۔ بابرہ بہت ہی خاموش اور شوہر نظر آنے کی کوششوں میں صرف مسکراہٹوں پہ اکتفا کر رہی تھیں۔

شاہد نے بتایا کہ انہوں نے بابرہ کو بہت پہلے فلم "دیکھا جائے گا" میں پسند کیا تھا اور تب ہی اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن میں ڈرتا تھا کہ دو بیویوں کا شوہر ہوں نتہ نہیں بابرہ راضی ہوں گی کہ نہیں۔ اسی موقع پہ بابرہ نے کہا وہ شادی کے لئے اسی وجہ سے راضی ہوگئیں کہ پہلے ہی دو بیویاں ہیں عمر بھی کافی ہے آئندہ کوئی خطرہ نہیں۔ بابرہ نے بتایا کہ شادی کا خفیہ طریقہ کار انہیں گھر والوں کی وجہ سے اپنانا پڑا کہ وہ لوگ راضی نہ ہوتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ دونوں کے گھر والے آہستہ آہستہ راضی ہو رہے ہیں لہٰذا بہت جلد باقاعدہ والی شادی بھی ہوگی جس میں ڈولی، گھوڑا، دولہا سب کچھ آئے گا۔

شاہد نے کہا وہ اپنی شادی سے بہت مطمئن ہیں کیا اس کے بعد بھی کوئی شادی کریں گے؟ اس سوال کے جواب میں شاہد نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا "اب گنجائش نہیں عمر بھی بڑھ گئی ہے"۔ انہوں نے بتایا کہ سابقہ دونوں بیویوں کو نہ صرف طلاق دے دی ہے ان کے حق مہر اور بچوں کے اخراجات بھی ادا کر دیئے ہیں۔ اس

شاھد کی سوشل لائف شادی کے بعد شروع ھوئی

موقع پر انہوں نے عشرت چوہدری کے دعویٰ کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے سختی سے تردید کی۔

بچے آپ نے ہمیشہ کے لئے بیویوں کو دے دیئے ہیں یا لیں گے؟ سوال سن کر شاہد نے رکتے ہوئے کہا بچوں کی مرضی ہے اگر میرے پاس رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ بابرہ اسے تیلے بچوں کو رکھنا پسند کریں گی؟ اس براہِ راست سوال پر بابرہ نے تیزی سے کہا کیوں نہیں

شاہد نے ذاتی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا میری کوئی سوشل لائف نہیں رہی تھی زندگی فلموں اور اسٹوڈیو تک محدود ہو گئی تھی لیکن ۱۹۷۸ء میں انہوں نے باقاعدہ سوشل لائف کا آغاز کیا ہے۔ جب ہی سوال ہوا کہ آپ کی شادی سوشل لائف کا حصہ تو نہیں؟ شاہد نے اس سوال پر چیں بہ جبیں ہو کر کہا "اتنے زیادہ ذاتی سوالات مت کریں"

شاہد نے یہ بھی بتایا کہ "انکم ٹیکس کے تمام واجبات ادا کر کے وہ کراچی آئے ہیں" انہوں نے بتایا کہ شادی کے بعد پاکستان سے مفرور ہونے کے نتیجے میں جن فلمسازوں کا نقصان ہوا تھا اس کی بھی ادائیگی کر دی گئی ہے۔ کیا آپ اب بھی سسرال میں رہتے ہیں؟ اس سوال پر شاہد نے فوراً کہا "جی نہیں الگ مکان لے لیا ہے" لیکن یہ مکان کس علاقے میں ہے؟" بتانے کے لئے انہیں بابرہ کی مدد لینی پڑی۔

شاہد اور بابرہ نے خالص جانثار میاں بیوی کی طرح اس بات کا بھی اعلان کیا کہ دونوں نے کسی پر کسی قسم کی پابندی نہ عائد کی ہے اور نہ کرنے کا ارادہ ہے۔

○○

شاھد اور حسن طارق کے اسسٹنٹ رتن کمار

خالد سلیم موٹا، بیس بے کے کردار میں

بابرا، ماضی، حال مستقبل کے ایگزیکٹیو پروڈیوسر انکل نورالدین کیسٹ کے ساتھ

بقیہ جات
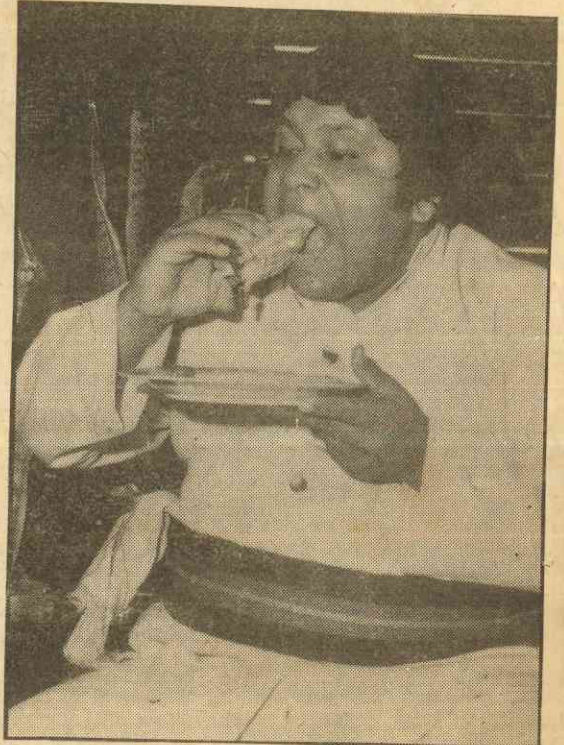
بقیہ سرِ ورق

یہ پارٹی اس وقت قائم ہوئی تھی جب استاد اکبر خیبر اور نور محمد تراہ کی کے مابین شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے اور استاد اکبر خیبر نے پیپلز پارٹی کی بجائے پرچم پارٹی اور نور محمد تراہ کی نے خلق پارٹی بنا لی تھی مگر بعد میں دونوں پارٹیوں پرچم پارٹی اور خلق پارٹی سے پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی بن گئی۔ نور محمد ترقی پسند خیالات کے مالک ہیں ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ جمہوریت۔ افغانستان میں آزادی صحافت اور سماجی انصاف کے زبردست علمبردار ہیں انہوں نے ہمیشہ مظلوم افراد کی حمایت کی ہے اور شاہ پسندوں کے مظالم کے خلاف جنگ کی۔ فوجی انقلابی کونسل کے اس پہلے اجلاس میں وزراء اور صوبائی گورنروں کے بارے میں بھی فیصلہ کیا گیا جنہوں نے اس انقلاب میں اہم کردار ادا کیا ہے

اب تک افغانستان کو جن ممالک نے تسلیم کیا ہے ان میں اکثریت روسی بلاک کے ممالک کی ہے خود روس دنیا کا پہلا ملک تھا جس نے افغانستان کی نئی حکومت کو تسلیم کیا روس کے سفیر مقیم کابل نے ۳۰ اپریل کی رات آٹھ بجے افغانستان حکومت کے نئے سربراہ مملکت سے ملاقات کی اور حکومت روس کے اس فیصلہ سے آگاہ کیا۔ یکم مئی کو صبح دس بجے بلغاریہ نے شام پانچ بجے ہندوستان نے شام چھ بجے کیوبا نے اور رات نو بجے عراق نے افغانستان کی نئی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

افغانستان کی موجودہ انقلابی حکومت جس نے ابتداء میں دعویٰ کیا تھا کہ وہ غیر جانبدار رہے گی الیا نظر آتا ہے کہ مکمل طور پر روس کی حامی ہے اور افغانستان جو فوجی اہمیت کے چوراہے پر واقع ہے اس کی وجہ سے ایران، پاکستان اور چین کے لئے نئی حکومت تشویش کا باعث بن سکتی ہے ایران کو سب سے بڑی تشویش اس لئے ہے کہ کسی پڑوسی ملک میں کمیونسٹوں کا برسر اقتدار آنا شہنشاہ کے مخالفین کے لئے جو کمیونسٹ ہیں حوصلہ افزائی کا باعث بن سکتا ہے۔ اور ویسے بھی ایران اب تین طرف سے کمیونسٹوں میں گھر گیا ہے۔ پاکستان کو تشویش اس لئے ہے کہ پختونستان کا مسئلہ جو دب گیا تھا دوبارہ کھڑا نہ ہو جائے بہر حال افغانستان کی نئی حکومت اس وقت اپنے داخلی مسئلہ سے دوچار ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ اسے جب ان تمام جھگڑوں سے فرصت ملتی ہے تو وہ بین الاقوامی برادری میں کس رویّہ کا مظاہرہ کرتی ہے۔

بقیہ - مودودی

۹۔ جن صنعتوں کو کلیدی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے اور جن کا نجی ہاتھوں میں چلنا اجتماعی حیثیت سے نقصان دہ ہے ان کو قومی انتظام میں چلایا جائے۔ اس امر کا فیصلہ کرنا کہ کن صنعتوں کو قومی انتظام میں چلانا ضروری ہے، ایک ایسی نمائندہ اسمبلی کا کام ہے جو عوام کی آزاد مرضی سے منتخب ہوئی ہو۔ اور اس کو فیصلہ کرتے ہوئے یہ اطمینان کر لینا بھی ضروری ہے کہ ان صنعتوں کا انتظام بیوروکریسی کی اُن معروف خرابیوں کا شکار نہ ہونے پائے جن کی بدولت صنعتوں کو قومی انتظام میں چلانا فائدے کے بجائے الٹا نقصان کا موجب بن جاتا ہے۔

۱۰۔ بینکنگ اور انشورنس کے اُس پورے نظام کو جو در اصل یہودی سرمایہ داروں کے دماغ کا آفریدہ ہے، اور جس کی تقلید ہمارے ملک میں بھی کی جا رہی ہے ایک ... اسلامی اصول شرکت و مضاربت اور تعاون باہمی کے مطابق از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔ اس بنیادی اصلاح کے بغیر ان دونوں چیزوں کے مفاسد کسی ... دور نہیں کیے جا سکتے، خواہ انھیں قومی ملکیت ہی میں لے لیا جائے۔

۱۱۔ زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کا انتظام کر کے کفالتِ عامہ کی اُس اسلامی اسکیم کو عمل میں لایا جائے جس سے بہتر ... جمہوریت کی کوئی اسکیم آج تک کوئی نظام وضع نہیں کر سکا ہے۔ ... ایک یقینی ذریعہ ہے جس سے ملک میں کوئی فرد غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم سے محروم نہیں رہ سکتا۔

۱۲۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان عدم مساوات (Disparity) دُور کرنے کے لیے "تحریکِ جمہوریت" کے آٹھ نکاتی پروگرام میں سے ان چھ نکات پر عمل کیا جائے جو اس مسئلہ کے متعلق تحریکِ جمہوریت نے بالاتفاق طے کیے تھے[1]۔

[1] تحریکِ جمہوریت کا یہ آٹھ نکاتی پروگرام شائع ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو:
Paki-tan Democratic Movement National Head Quarters
32, Nicholson Road, Lahore.

لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ صرف معیشت ہی انسانی زندگی کا اصلی اور واحد مسئلہ نہیں ہے، بلکہ وہ زندگی کے دوسرے مسائل کے ساتھ گہرا ربط رکھتی ہے۔ جب تک اسلامی تعلیمات اور احکام کے مطابق اخلاق، معاشرت، تعلیم، سیاست، قانون اور نظم و نسق کے تمام شعبوں میں ہمہ گیر اصلاحات نہ ہوں، محض معاشی اصلاح کا کوئی پروگرام بھی کامیاب اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔

بقیہ - ایڈیٹر کا صفحہ

کہ منزل کے حصول کے لئے متحدہ تگ و دو کر سکیں گے عوام میں اپنے وطن سے، اپنے معاشرے سے حد درجہ الفت موجود ہے۔ خواص کو پاکستان سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے اس لئے وہ خود بھی تذبذب میں مبتلا رہتے ہیں و دوسروں کو بھی مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔ دانشوروں اور عوام کے مابین مکمل اور مضبوط رابطہ قائم ہو جائے تو خواص کو اپنی مرضی مسلط کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اسی طرح ہمارے معاشرے میں باقی رہنے کی قوت بھی پیدا ہو گی۔ اس معاشرے کی ایک باقاعدہ شکل بھی ابھرے گی۔ اور عوام۔ ہمارے معاشرے کی بنیادی اقدار کی بھی تعمیر کر دیں گے۔

بقیہ - افغانستان کا انقلاب

کابل میں ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔

استاد میر اکبر خیبر ممتاز لیفٹ لیڈر تھے۔ وہ ابتداء میں گورنمنٹ سروس میں تھے اور پولیس اکیڈمی کے ڈائریکٹر بھی رہے مگر بعد میں انہوں نے سرکاری ملازمت چھوڑ دی اور سرگرمی کے ساتھ سیاست میں حصّہ لینا شروع کر دیا پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے بعد پرچم پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔ پرچم پارٹی اپنے ایک رسالہ "پرچم" کی وجہ سے مشہور تھی۔ یہ پرچہ ظاہر شاہ حکومت نے بند کر دیا تھا۔

بائیں بازو نے الزام لگایا ہے کہ استاد میر اکبر خیبر کو اخوان والوں نے قتل کرایا ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ لیفٹ والے مشتعل ہوں گے اور وہ اسی اشتعال میں ہنگامے کریں گے اور اس طرح حکومت کو موقع ملے گا کہ وہ لیفٹ کو مکمل طور پر کچل دے۔ اور اس کے بعد داؤد حکومت دائیں بازو کے رحم و کرم پر پڑ جاتے۔ یہی ہوا کہ میر اکبر خیبر کے قتل کے بعد کابل میں ہنگامے شروع ہو گئے مظاہرے ہوئے۔ حکومت نے سختی کی اور بہت ساری گرفتاریاں عمل میں لائیں۔ لیفٹ کے ٹاپ لیڈر جس میں نور محمد ترہ کی۔ شاہ ولی۔ ببرک کارمل بھی شامل ہیں گرفتار کر لیا گیا لیفٹ کا کہنا ہے کہ محمد داؤد نے ۲۷ اپریل کو صبح ۱۱ بجے اپنی کابینہ کا ایک اجلاس طلب کیا تھا جس میں ان تمام لیڈروں کو پھانسی دینے کا فیصلہ کرنا تھا اس کا علم جب ماسکو گروپ کے فوجی جرنلوں کو ہوا۔ تو انہوں نے فوری طور پر کارروائی کی اور دن کے وقت حملہ کر کے سردار داؤد کا تختہ الٹ دیا ○○

بڑے شہروں میں

"معیار" کے تقسیم کنندگان

مندرجہ ذیل شہروں میں "معیار" ہمارے ان نیوز ایجنٹ حضرات کے ہاں دستیاب ہے۔ پرچہ گھر پر پہنچانے کا انتظام بھی ہے۔ پرچے کے حصول میں دقت ہو تو ان حضرات سے رابطہ قائم کیجئے۔ مزید دقت ہو تو ہمیں براہ راست لکھئے۔

ہفت روزہ "معیار" پوسٹ بکس ۳۱۹۵، کراچی ۲۹۔

پشاور
بزنس کمپنی چوک یادگار

کراچی
فاروق نیوز ایجنسیز، ریگل چوک۔

لاہور
خان نیوز ایجنسی
ہسپتال روڈ

راولپنڈی
افضل نیوز ایجنسی
ڈی اے وی کالج روڈ۔

کوئٹہ
میسرز گوشۂ ادب
سرکلر روڈ۔

ملتان
ملک نیوز ایجنسی
ملک پلازہ، عظمت واسطی روڈ

لائلپور
محمد اسحاق نیوز پیپر ایجنٹ
کچہری بازار

حیدرآباد
میسرز سلیمان برادرز
نیوز پیپر ایجنٹ

سکھر
حسینی بک ڈپو
گھنٹہ گھر

میرپور خاص
سندھ کتاب گھر
اسٹیشن چوک

لاڑکانہ
پاکستان بک ڈپو

سیالکوٹ
ملک اینڈ سنز
نیوز پیپر ایجنٹ

سرگودھا
میسرز اسٹینڈرڈ بک سٹال

بہاولپور
کیپٹل نیوز ایجنسی

بدین
غفور نیوز ایجنسی

جہلم
بٹ نیوز ایجنسیز

گوجرانوالہ
ذوالفقار احمد صمدانی
نیوز پیپر ایجنٹ

رحیم یار خان
چوہدری امانت علی
نیوز پیپر ایجنٹ

خیرپور
مکتبہ حیدری
حسینی چوک

بھکر (ضلع میانوالی)
ذاکر حسین نیوز ایجنٹ

گلگت
پیرزادہ محمد حسین شاہ
نیوز پیپر ایجنٹ

ڈیرہ اسماعیلخان
راجہ برادرز
نیوز ایجنٹ

گجرات
نذر نیوز ایجنسی
اقبال گنج

منڈی بہاؤالدین
ملت نیوز ایجنسی

ٹھٹھہ
شمس بک سٹال

مانسہرہ
بلال نیوز ایجنسی

خانیوال
کتب خانہ صدیقیہ
کچہری بازار

ڈیرہ غازیخان
شمیم نیوز ایجنسی

سانگھڑ
ہمدرد لائبریری

جھنگ
شیخ محمد حسین
نیوز ایجنٹ

کیمبل پور
خزینۂ علم و ادب
نیوز پیپر ایجنٹ

ڈڈیال (آزاد کشمیر)
راجہ فضل الرحمن
نیوز ایجنٹ

چمن
نشاط نیوز ایجنسی

سامارو (ضلع تھرپارکر)
شوقین نیوز ایجنسی

اسکردو (بلتستان)
رسول جو حسن جو
نیوز پیپر ایجنٹ

اوتھل (ضلع لسبیلہ)
شاہد نیوز ایجنسی

وہاڑی (ملتان)
وہاڑی نیوز ایجنٹ

میرپور (آزاد کشمیر)
اعظم نیوز ایجنسی

ایبٹ آباد
پاکستان نیوز ایجنسی